مسجد الحرام پر قبضہ

اسلام کے مقدس ترین مقام کا محاصرہ

تحریر: وہاراامباکر

پندرہویں صدی کے پہلے روز حرم شریف میں ہونے والی بغاوت۔ آگ، خون، بارود اور لاشوں کے ساتھ نظریے کی جنگ، جس کی بازگشت ختم نہیں ہوئی۔ اسلامی دنیا کی تاریخ کا رخ بدلنے والے دو ہفتوں کی کہانی

نئ صدی کا پہلا دن

حج ختم ہو جانے کے بعد زیادہ تر حاجی گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ ہجری کیلنڈر میں نئ صدی کا پہلا روز تھا۔ مسجد الحرام میں صبح سویرے کچھ جنازے لائے گئے تھے تا کہ فجر کے بعد ان کی نماز ادا کی جا سکے۔ آج ان میں سے کچھ میں وہ لایا گیا تھا جو اس مسجد میں پہلے کبھی نہ پہنچا تھا۔ کلاشنکوف، بلجین گن، گولیوں کی بیلٹیں اور پستول۔ جو لوگ یہ کر رہے تھے، وہ تاریخ بدلنا چاہتے تھے۔ ایک عالمی جنگ شروع کرنا چاہتے تھے تا کہ اسلام پوری دنیا میں غلبہ پا سکے۔ کفر کو شکست دینے کیلئے انہوں نے نئ صدی کا پہلا روز چنا تھا۔ ان کیلئے کفر کے کیلنڈر میں یہ 20 نومبر 1979 کا دن تھا۔

مسجد میں ایک لاکھ افراد تھے۔ بہت سے مقامی لوگ جنہوں نے نئ صدی کا پہلا روز فجر کی نماز خانہ کعبہ میں ادا کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ پاکستان، انڈیا، مراکش، یمن، ترکی، انڈونیشیا، نائیجیریا وغیرہ سے آنے والے لوگ تھے۔ ان افراد میں کئی باغی بھی اس کا حصہ تھے۔ کچھ رات سے ہی یہاں پر تھے۔ کچھ نے رات قریبی اکیڈمی میں گزاری تھی۔ کچھ صبح ہی اپنی گاڑیوں میں پہنچے تھے۔ زیادہ تر سعودی تھے لیکن کئی دوسرے ممالک سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

پانچ بج کر اٹھارہ منٹ پر "اللہ اکبر" کی صدا گونجی۔ اذان کے بعد جماعت ہوئی۔ ابھی امام نے سلام پھیرا ہی تھا کہ گولیاں چلنے کی آواز آنے لگی۔ ایک نوجوان بندوق اٹھائے کعبہ کی طرف دوڑ رہا تھا۔ کبوتروں نے پر پھڑ پھڑا کر اڑنا شروع کر دیا۔ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا یہ کسی اہم شخصیت یا بادشاہ کے گارڈ تھے؟ یا نئ صدی کو منانے کیلئے جشن میں کیا گیا تھا؟

جو زیادہ واقف تھے، وہ دہشت زدہ تھے۔ اس جگہ پر گولی چلانا بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ مزید مسلح افراد کعبے کی طرف بھاگتے نظر آئے۔ جنازوں کے کفن سے ہتھیار نکال لئے گئے تھے۔ یہاں کی پولیس فورس کے پاس صرف ڈنڈے تھے۔ ان میں سے دو گارڈز کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ کسی اور کو مزاحمت کی جرات نہیں ہوئی۔

جھیمان العتیبی اب مسجد کے اندر سے بر آمد ہوئے۔ سیاہ مقناطیسی آنکھوں والے تینتالیس سالہ عالمِ دین جن کے بال شانوں تک بکھرے تھے، لباس ٹخنوں سے اونچا تھا اور سر پر سبز پٹی بندھی تھی۔ تین مسلح افراد کے درمیان وہ امامِ کعبہ تک پہنچے۔ ان سے مائیک چھین لیا گیا۔

خوفزدہ مجمع جب باہر کی طرف بھاگا تو پتا لگا کہ تمام 51 دروازے زنجیروں سے باندھ دئے گئے ہیں۔

جھیمان نے مائیکروفون میں ہدایات دیں۔ ان کے پیروکار ہر جگہ پھیل گئے۔ ساتوں میناروں پر مشین گن پوسٹس قائم کر دی گئیں۔ زائرین میں سے جو صحتمند تھے، انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ سامان ان میناروں کے اوپر اٹھا کر لے جائیں۔ تین سو فٹ اونچے میناروں سے پورے مکہ کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ "اگر کوئی بھی حکومتی اہلکار ہاتھ اٹھانے کی کوشش کرے، اسے وہیں بھون کر رکھ دو، ذرا بھی رحم دل میں نہ آنے پائے۔ ذرا سی جھجھک بھی نہیں"۔ جھیمان نے یہ ہدایات بآوازِ بلند جاری کی تھیں۔

یہاں پر موجود لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ہو کیا رہا ہے۔ خواتین کا رونا، بوڑھوں کی کھانسی اور چہ میگوئیاں۔ بہت سے لوگ عربی سے ہی ناواقف تھے۔ پوچھ رہے تھے کہ آخر ہو کیا رہا ہے۔ قبضہ آوروں نے اس کی پلاننگ بھی کی تھی۔ وہ اپنی بات سب کو اچھی طرح سمجھانا چاہتے تھے۔

پاکستانی اور انڈین زائرین کو الگ کر دیا گیا۔ ان کو پاکستان میں پیدا ہونے والے ایک حملہ آور کے حوالے کر دیا گیا تا کہ اردو میں ان سے بات کی جا سکے۔ افریقہ سے تعلق رکھنے والوں کو انگریزی بولنے والے ایک شخص کے۔ "بیٹھ جاؤ اور سنو۔" جو بات ماننے میں کچھ بھی تامل کرتا تھا، بندوقوں کے بٹ سے پٹائی کی جاتی تھی۔ "مکہ، مدینہ اور جدہ اب ہمارے قبضے میں ہیں۔"

اگلے ایک گھنٹے تک جھیمان عربی میں اس سب کا مقصد بیان کرتے رہے۔ مسجد کے سنٹرل سپیکر سے ہونے والے یہ اعلان دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے تھے۔ ایک قدیم پیشگوئی درست ثابت ہونے لگی ہے۔ آخری وقت

آن پہنچا ہے۔ مسلمانوں کی فتح کے دن آ گئے ہیں۔ یہ اس کا آغاز ہے۔ تقریر ختم ہوئی۔ لاؤڈ سپیکر خاموش ہو گیا۔ مکہ بھر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ مسجد کے قریب کے ہوٹلوں میں کام کرنے والے ویٹر بھی اپنی دکانیں چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔

اگلے چند گھنٹوں میں دنیا میں یہ خبر پھیل گئی۔ موت اور تباہی ہزاروں میل دور تک بکھر گئی۔ اگلے دو ہفتوں تک جاری رہنے والے اس محاصرے نے دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ ماضی میں ہونے والا اور بھلا دیا جانے والا یہ بحران سعودی عرب میں تاریخ کی کتابوں سے کھرچ دیا گیا ہے۔ لیکن اس کا تاریک سایہ ابھی تک مسلمان دنیا میں موجود ہے۔

جہیمان کے اس حملے کی اپنی تاریخ کم از کم دو سو سال پرانی ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں مکہ پر اس سے پہلے دو بار فوج کشی کی گئی تھی۔ یہ اسی تسلسل کی کڑی تھا۔ ہونے والی ایک بڑی نظریاتی جنگ کا اہم سنگِ میل۔

جس طریقے سے ہینڈل کیا گیا۔ جس طرح اس کے بعد اقدامات لئے گئے، اس نے سعودی عرب میں ہی نہیں، باقی دنیا میں بھی بہت کچھ بدل دیا۔ جہیمان اس کے بعد مارے گئے۔ وہ اپنے مشن میں کامیاب رہے۔

اس وقت اسے مقامی مسئلے کے طور پر دیکھا گیا تھا۔ لیکن آج بھی چالیس برس بعد بہت سے مسائل کو سمجھنے کیلئے ہم اس واقعے کو تفصیل میں دیکھ سکتے ہیں۔ 1979 میں انقلابِ ایران یا مصر میں ہونے والی بڑی تبدیلیاں اسلامی دنیا میں بڑی اہم سمجھی جاتی ہیں لیکن پہلی محرم 1400 -- یہ جدید اسلامی تاریخ کا ایک ٹرننگ پوائنٹ تھا۔

سعودی عرب کی تاریخ
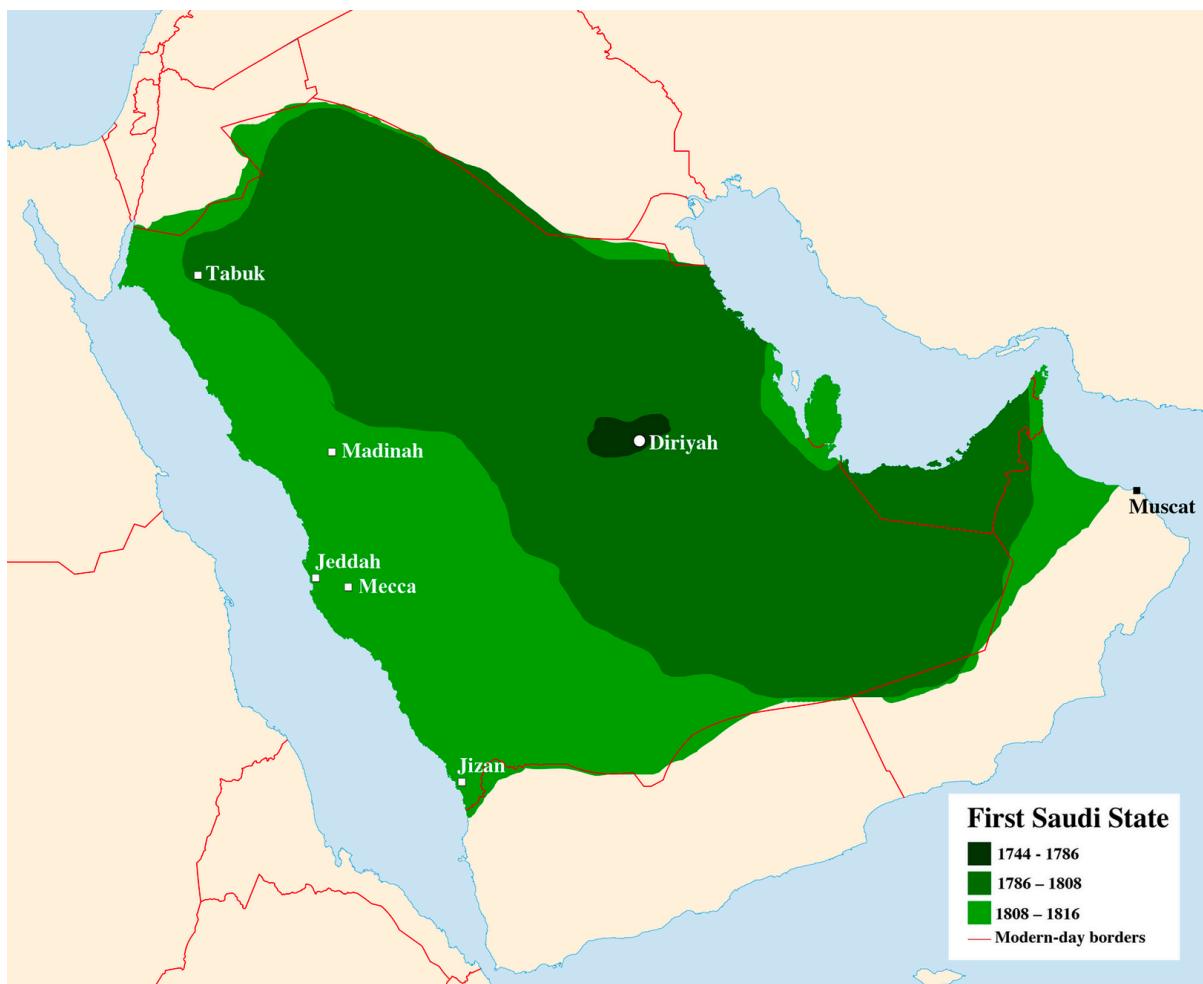
اسلام جزیرہ نمائے عرب سے شروع ہوا۔ تب سے لے کر آج تک یہ علاقہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے کنٹرول میں رہا لیکن بہت جلد ہی اس کی سیاسی حیثیت ثانوی رہ گئی تھی۔ سیاسی مراکز شام، عراق، مصر اور ترکی کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ مقاماتِ مقدسہ تک جانے والے زائرین کے سوا آبادی بہت کم تھی۔ اس کا صحرا رہنے کے لئے آسان جگہ نہیں تھی۔ جگہ جگہ پھرتے خانہ بدوش قسم قسم کے توہمات کا شکار تھے۔ ان حالات میں اٹھارہویں صدی میں یہاں پر محمد بن عبدالوہاب آئے، جن کا پیغام ان توہمات کے خلاف تھا۔ ان کا نظریہ اپنانے والے خطیبوں نے یہاں کی فکر کو تبدیل کر دیا۔

ان کا پیغام بڑا سادہ اور آسان تھا۔ "اصل کی طرف واپسی"۔ اس آسان پیغام کے کئی طرح کے معنی تھے۔ توحید کی طرف واپسی، مغرب سے آنے والی روایات اور کلچر کا رد۔ بدعت کو ختم کرنا۔ اس نئے پیغام میں بدوؤں کے

لئے بہت کشش تھی۔ وہ اپنی سادہ زندگی کو مکہ یا بصرہ میں بسنے والوں کی شہری زندگیوں سے برتر سمجھتے تھے۔ اس پیغام کو ماننے والے وہابی کہلائے۔ ان کا اس خطے کے مستقبل پر گہرا اثر ہونا تھا۔

وسطی عرب میں نجد سے تعلق رکھنے والے قبائلی شیخ محمد بن سعود کی صورت میں ان کو ایک رفیق مل گیا۔ السعود کی عسکری مہارت اور وہابی مذہبی جذبے نے مل کر اس علاقے کا سیاسی نقشہ بدل دیا۔ یہ علاقہ بڑی طاقتور عثمانی سلطنت کے زیرِ نگیں تھا۔ استنول میں سلطان کے پاس خلیفہ المسلمین کا لقب تھا۔ السعود نے اس بڑی طاقت سے ٹکر لے لی۔ اسے براہِ راست چیلنج کر دیا۔ محمد بن سعود کے بیٹے کے محمد بن عبدالوہاب کی بیٹی سے نکاح نے ان خاندانوں کے درمیان ایک مضبوط رشتے کی اور پہلی سعودی ریاست کی بنیاد 1744 میں رکھ دی۔ یہ امارات الدرعیہ کہلائی۔ الدرعیہ کا شہر آج کے سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے قریب تھا۔

وسیع ہوتی اس ریاست کیلئے ایک بڑی کامیابی 1802 میں ہوئی جب اونٹوں پر سوار بارہ ہزار وہابی جنگجوؤں کی فورس عثمانی سلطنت کے اہم شہر کربلا پہنچی۔ یہاں پر امام حسین علیہ السلام کا سنہری گنبد والا مقبرہ زائرین کا مرکز تھا۔ کربلا بڑے خزانوں کا شہر تھا جو صدیوں سے یہاں پر فارس، انڈیا اور دوسری جگہوں سے آیا کرتے تھے۔ اس شہر میں اس کے لئے کوئی خاص حفاظتی اقدامات نہیں کئے گئے تھے۔ دس محرم 1216 کو اس لشکر نے کربلا پر حملہ کیا۔ آٹھ گھنٹے میں ختم ہو جانے والی جنگ یکطرفہ تھی۔ کربلا کے چار ہزار شہری اس میں ہلاک ہوئے۔ یہاں سے لوٹے گئے مال کو چار ہزار اونٹوں پر نجد لے جایا گیا۔

اگلے سال مکہ کی باری تھی۔ کربلا میں ہونے والے انجام سے اہلِ مکہ باخبر تھے۔ انہوں نے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دئے اور شہر حملہ آوروں کے حوالے کر دیا گیا۔ تمباکو نوشی پر پابندی لگا دی گئی۔ تمام تمباکو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ بڑے مقبروں کو ناپسند کرنے والے نئے حکمران نے تمام قبروں کے نام ونشان مٹا دئے۔ اس سے اگلی باری مدینہ کی آئی۔ یہاں پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔

اگلے دس برس حکومت یہ نئی ریاست اسی طرح قائم رہی۔ عثمانیہ سلطنت نے اس سے نپٹنے کا کام مصر کے طاقتور وائسرائے محمد علی پاشا کے سپرد کیا۔ ان کے بیٹے ابراہیم پاشا کی قیادت میں 1813 میں عثمانی فوج نے حجاز کا رخ کیا۔ مکہ کا قبضہ واپس حاصل کر لیا۔ اگلے پانچ سال کی جنگ کے بعد بالآخر عثمانی فوج نے اس نئی ریاست کو مکمل طور

پر کچل دیا۔ الدرعیہ شہر کو ملیامیٹ کر دیا گیا۔ شکست کھا جانے والے سعودی بادشاہ کو پنجرے میں بند کر کے استنبول لے جایا گیا۔ جہاں پر جشن مناتے لوگوں کے سامنے ان کا سر قلم کر دیا گیا۔ ان کا کٹا ہوا سر باسفورس کے پانیوں میں لڑھکا دیا گیا۔ پہلی سعودی ریاست ختم ہو گئی۔

دوسری سعودی ریاست کچھ عرصہ بعد قائم ہوئی لیکن رہ نہ سکی۔ جب بیسویں صدی شروع ہوئی تو عرب سے باہر کم ہی کوئی سعود خاندان کے نام سے واقف تھا۔ ان کے خاندان کے لوگ بھاگ کر کویت کی طرف چلے گئے تھے۔ نجد میں ان کے مخالفین کا قبضہ تھا۔ حجاز میں ہاشمی خاندان کا کنٹرول تھا۔ ماضی کی طاقتور عثمانی سلطنت بیمار پڑ چکی تھی۔

جنوری 1902 میں السعود خاندان کے نوجوان سردار عبدالعزیز نے صرف چھ لوگوں کے دستے کے ساتھ ریاض کے گورنر کے قلعے پر ایک دلیرانہ حملہ کیا۔ رات کو گارے کی فصیل کا کمزور حصہ پھاند کر اندر چلے گئے اور فجر کی نماز پر نکلنے والے گورنر کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ مختصر لڑائی کے بعد اس قلعے کا کنٹرول سنبھال لیا۔ یہ نئے سعودی دور کا آغاز تھا۔ یہ تیسری سعودی ریاست کہلائی۔ عبدالعزیز ایک کے بعد اگلی جھڑپ کے ساتھ قبائل کو شکست دیتے گئے اور نجد پر کنٹرول حاصل کرتے گئے۔

اس جنگجو فورس کے بہترین فوجی صحرا میں رہنے والے خانہ بدوش تھے۔ نجد میں قدم جمانے کے بعد ان کو خانہ بدوشی کی زندگی ترک کر کے ایک جگہ آباد ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ ان نئی بستیوں کو ہجرہ کہا گیا۔ یہ نو آباد اخوان کہلائے۔ اخوان کو زراعت کا بالکل تجربہ نہیں تھا لیکن زبردست جنگجو تھے۔ ان کی جنگی مہارت نے السعود کی فتوحات میں بڑی مدد کی۔ 1913 تک خلیج کا ساحل السعود کے پاس آ گیا تھا۔ 1924 میں اردن کا شہر امان اور پھر پہاڑی علاقہ طائف، جہاں پر لڑائی کے بعد چار سو شہری قتل کر دئے گئے۔ شہر میں تعیشاتی سامان جیسا کہ آئینوں اور کھڑکیوں کو بھی آگ لگا دی گئی۔ اگلی باری مکہ کی تھی۔ مکہ بغیر لڑائی کے قابو آ گیا۔ اس میں کوئی توڑ پھوڑ نہ کی گئی۔ 1920 کی دہائی کے آخر تک عبدالعزیز کے پاس جزیرہ نمائے عرب کا تقریباً مکمل کنٹرول تھا۔ اس کی سرحد کے گرد کویت، عراق اور چھوٹی خلیجی ریاستیں تھیں جو برطانیہ کے زیرِ نگران تھی۔ عبدالعزیز نے اس طاقتور سلطنت سے لڑائی چھیڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔

مکہ اور مدینہ کے مقاماتِ مقدسہ کے رکھوالے کی حیثیت سے السعود اخوان کو غیر وہابی زائرین کو تنگ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

یہاں سے السعود اور اخوان کے بیچ اختلافات ہو گئے۔ جہاد کو روک دینا، بدعت میں ملوث لوگوں سے صرفِ نظر کرنا، شیعہ زائرین کو مقاماتِ مقدسہ تک آنے کی اجازت دینا۔ ان پر ہی ابھی ناراضگی چل رہی تھی کہ شاہ عبدالعزیز نے ایک اور دھماکہ کر دیا۔ یہ مغرب کے شیطانی آلات کو یہاں پر آنے کی اجازت دے دینا تھا۔ ٹیلی گراف، ریڈیو، ٹیلی فون اور کار جیسے آلات! اخوان غصے سے ابل رہے تھے۔

شاہ کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اخوان نے پہلے برطانوی عراق پر حملہ کیا اور پھر کویت کی بندرگاہ پر قبضے کی کوشش کی جو برطانیہ کی حفاظت میں تھی۔ اخوان کو اس کے نتیجے میں ایک اور شیطانی ایجاد کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ہوائی جہاز تھے۔ شاہ عبدالعزیز کی رضامندی سے برطانوی رائل ائرفورس نے اخوان آبادی پر بمباری کی۔ سینکڑوں مرد، خواتین اور بچے اس بمباری کا نشانہ بنے۔ اخوان اور السعود کا تعلق ٹوٹ چکا تھا۔

مارچ 1929 میں پرانے بہترین رفیق آمنے سامنے تھے۔ نجد میں سیبالہ کے نخلستان میں شاہ عبدالعزیز کے بیٹے کی قیادت میں شاہی فوج ایک طرف سے، جبکہ اخوان کی فوج فیصل الدویش اور سلطان بن بجاد کی قیادت میں اللہ اکبر کے نعرے لگاتے اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

لڑائی کے پہلے ملے میں ہی فیصل الدویش بری طرح زخمی ہو گئے۔ ان کے ساتھیوں نے پسپائی اختیار کرنے کی کوشش کی لیکن السعود کی فوج کی مشین گنوں نے اخوان فوج کو بھون کر رکھ دیا۔ سال کے آخر تک نجد سے اخوان کا صفایا ہو چکا تھا۔ انکے ہتھیار ضبط کئے جا چکے تھے۔ دویش اور بجاد گرفتار کر لئے گئے تھے جہاں پر ان کا انتقال جلد ہی ہو گیا۔

اخوان کے خاندان تباہ حالی کا شکار تھے۔ ان کی دنیا دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئی تھی۔ کل کے فاتح آج کا شکار، کل کے ہیرو آج کے معتوب قرار پائے تھے۔ ان خاندانوں کے یتیم ہو جانے والوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ ریاض کے شمال میں ساجر نام کے اخوان آبادی میں سیبالہ کی جنگ میں شرکت کرنے والے کچھ جنگجو موجود تھے۔ ان میں سے ایک محمد بن سیف العتیبی تھے، جو بجاد کے شانہ بہ شانہ لڑے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اس جنگ سے سات سال بعد ان کے گھر ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ غصے میں لگنے والے اس بچے کا نام انہوں نے "تیوری چڑھانے والا" رکھا تھا۔

عربی میں اس کو جہیمن کہا جاتا ہے۔ یہ وہ بچہ تھا جس نے مکہ میں ہونے مسجد الحرام میں ہونے والے 1979 میں باغیوں کی قیادت کرنا تھی۔

غربت سے قیادت تک

سعودی عرب میں تبدیلی بہت ہی تیزی سے آئی تھی۔ 1938 میں پتا لگا تھا کہ صدیوں سے سنسان اور پسماندہ علاقہ نئی دولت سے مالامال ہے۔ دنیا میں تیل کے بہت بڑے ذخائر یہاں پر ہیں۔ اس دریافت کے سات سال بعد امریکی صدر فرینکلن روزویلٹ شاہ عبدالعزیز کے ہمراہ مصر میں بحری جہاز میں اکٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ بوڑھے بادشاہ کو وہیل چیئر کا تحفہ دینے کے بعد انہوں نے ایک بڑا معاہدہ کر لیا تھا۔ یہ تیل نکالنے والی کمپنی آرامکو کا قیام تھا جو اس وقت مکمل امریکی ملکیت میں تھی اور سعودی عرب میں تیل کا کام کرنے کے بلاشرکتِ غیرے حقوق رکھتی تھی۔

اس کے بعد ہزاروں امریکی تیل کے ماہرین، تعمیراتی انجینیرز، فوجیوں نے سعودی عرب کا رخ کیا۔ پہلی جدید سڑکیں، پاور لائن، ہوائی اڈے بنے۔ اس یکایک ہو جانے والی تبدیلی سے یہاں پر ایک مسئلے نے جنم لیا۔ اس سرزمین پر قدامت پرستوں کے نزدیک غیر مسلموں کو نہ صرف قدم رکھنے کی اجازت ملنا بلکہ عزت دئے جانا بے حرمتی تھی۔ اس پر سب سے شدید احتجاج کرنے والے عبدالعزیز بن باز تھے۔ مغربی اثرات کیخلاف ان کے دئے گئے فتوے آج بھی انتہاپسندوں کے نظریات کا حصہ رہے ہیں۔ "ہم ان کافروں کو اپنے گھر میں نوکر نہیں رکھ سکتے۔ یہ خطرناک ہیں۔ ان کے عقائد، ان کے اخلاق ہماری اگلی نسلیں خراب کر دیں گے۔ ان کیلئے اس ملک میں کوئی جگہ نہیں"۔ یہ نابینا عالم ابنِ باز کے الفاظ تھے۔ ابنِ باز سعودی عرب کے سب سے طاقتور مذہبی راہنما سمجھے جاتے تھے۔ ابنِ باز المدینہ کالج میں مسجد الحرام پر قبضہ کرنے والے جھیمان کے استاد بھی رہے تھے۔ بعد میں مفتی اعظم کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز کو علم تھا کہ وہ ان امریکیوں کی مدد کے بغیر نہ تیل نکال سکتے ہیں، نہ ملک ترقی کر سکتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے ابنِ باز سے خود ملاقات کی اور ان کو قائل کیا کہ یہ مجبوری ہے اور اگر ابنِ باز نے حکومت کا ساتھ نہ دیا تو ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ شاہی خاندان سے زیادہ بُرے لوگ اقتدار میں آ سکتے ہیں۔ یعنی کہ کمیونسٹ اور سیکولر۔ ابنِ باز بات کو سمجھ گئے۔ حکومت سے سمجھوتہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے سعودی حکومت کے خلاف اپنے بیانات میں بڑی حد تک نرمی رکھی۔

شاہ عبدالعزیز کا انتقال 1953 میں ہوا جس کے بعد شاہ فیصل اقتدار میں آئے۔ شاہ فیصل بڑے زیرک لیڈر تھے۔ یہ وقت بادشاہتوں کے لئے مشکل دور تھا۔ مصر میں جمال عبدالناصر نے بادشاہت کا تختہ الٹا تھا۔ عراق میں شاہ کو خاندان سمیت قتل کر دیا گیا تھا۔ یمن میں قدیم بادشاہت گر گئی تھی۔

جمال عبدالناصر نے عرب دنیا کو اتحاد کے لئے پین عرب ازم کا نعرہ دیا تھا۔ یہ عرب دنیا میں پرکشش تھا۔ شاہ فیصل نے اس کا توڑ کرنے کے مقابلے میں پین اسلام ازم اور اسلامی امہ کا نعرہ دیا۔ انہوں نے جال وسیع پھینکا تھا۔ اسلامی دنیا کو اکٹھا کرنے اور اس بلاک کی قیادت کرنے کے لئے سعودی عرب کے پاس جو تھا، وہ کسی اور کے پاس نہیں۔ اسلامی شناخت نے سعودی عرب کو اسلام میں عالمی لیڈرشپ کا موقع دے دیا۔ صدیوں سے قاہرہ، بیروت، بغداد کے سائے میں رہنے والا سعودی عرب عالمِ اسلام کی بالکل ابتدائی تاریخ کے بعد پہلی بار اس پوزیشن میں آیا تھا۔ اس کے پاس اثرورسوخ بھی تھا اور دولت بھی۔

کمرشل ائیر لائن کی صنعت آجانے کے بعد عمرہ اور حج کرنے والوں کی تعداد تیزی سے بڑھی۔ دنیا کے کسی بھی کونے سے یہاں پہنچ جانا آسان ہو گیا۔ مقاماتِ مقدسہ کو توسیع دینے کا مہنگا کام شاہ کے قریبی معتمد اور قابلِ بھروسہ مشیر محمد بن لادن کے سپرد ہوا۔ بیس سال میں ان دو مساجد کے سائز میں چھ گنا اضافہ ہوا۔

شاہ فیصل قدامت پرست انتہا پسندوں کے مخالف تھے۔ اور اپنے بعد آنے والے شاہ خالد کے برعکس سخت موقف اپناتے تھے۔ مذہبی اقلیتوں، رواداری اور خواتین کے حقوق جیسے معاملات پر سینئیر علماء کونسل کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی تھی اور ابنِ باز کو یونیورسٹی سے برطرف کر دیا تھا۔ البتہ پین اسلام ازم کی پالیسی کے تحت شاہ نے ایک کام کیا۔ زیرِ زمین چلنے والی عرب تنظیم اخوتِ اسلامی کے کارکنوں کو سعودی عرب آنے کی دعوت دی۔ اخوت عرب حکومتوں کے خلاف چلنے والی تحریک تھی۔ ناصر کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کے بعد مصر اور شام میں اس پر پابندی لگ چکی تھی اور اس کے ممبران کو پکڑا جا رہا تھا۔ ان کے مرکزی فکری راہنما سید قطب تھے، جن کی فکر کو آج بھی بڑی جگہ پر عزت ملتی ہے۔ سید قطب کو مصر میں پھانسی دی گئی تھی۔

سید قطب کے بھائی کو سعودی عرب میں خوش آمدید کہا گیا۔ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو سلطنت میں نئی کھلنے والی یونیورسٹیوں میں پروفیسر بنا دیا گیا۔ محمد قطب کے شاگردوں میں سے کئی لوگوں نے انتہا پسند تنظیموں میں نظریاتی لیڈر شپ کا کردار ادا کیا۔ ان شاگردوں میں سے کئی مسجد الحرام کے محاصرے میں جھیمان کے ساتھی تھے۔ ان کے ایک اور ذہین شاگرد محمد بن لادن کے چھوٹے بیٹے اسامہ تھے۔

شاہ فیصل ان پڑھ سعودی عرب کو گھسیٹ کر جدیدیت کی طرف لے کر آئے تھے۔ انہوں نے غلامی پر 1962 میں پابندی لگائی۔ اس کے بعد سعودی عرب میں آخری پونے دو ہزار غلاموں کو سعودی حکومت نے رہا کروایا۔ اگلے سال خواتین کیلئے تعلیم کے اقدامات کئے۔ اور پھر 1965 میں انہوں نے وہ قدم اٹھالیا جو پھر ان کی موت کا باعث بنا۔ انہوں نے سعودی عرب میں ٹیلی ویژن متعارف کروا دیا تھا۔

ٹی وی کی پہلی براڈکاسٹ کے بعد ریاض میں خونی ہنگامے پھوٹ پڑے۔ بادشاہ کے اپنے بھتیجے ان مظاہروں کا حصہ تھے۔ لیکن وہ پولیس کے ساتھ ہونے والی شوٹنگ میں مارے گئے۔ سعودی عرب میں اس کے بعد ہر قسم

کے سیاسی مظاہرے پر پابندی لگا دی گئی۔

شاہ فیصل کے اقدامات کی شدید مخالفت کے باوجود مذہبی قدامت پسند ان کے خلاف کچھ زیادہ نہیں کر پائے۔ اس کی وجہ شاہ فیصل کی بے حد مقبولیت تھی۔ جو انہوں نے 1973 میں اسرائیل عرب جنگ کے بعد حاصل کی تھی۔ مغربی ممالک کے خلاف عربوں کا تیل کے ہتھیار کا استعمال نہ صرف موثر رہا تھا بلکہ منافع بخش بھی۔ تیل کی قیمت چار سال میں بیس گنا ہو گئی تھی۔

سعودی عرب میں دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ اس بے پناہ امارت نے اونٹوں کو گاڑیوں سے بدل دیا۔ ہسپتال اور سکول ہر جگہ کھل گئے۔ ہر سعودی شہری کے لئے ملازمت تھی۔ چونکہ سعودی نظامِ تعلیم خود ڈویلپ نہیں ہوا تھا، اس لئے شعبوں کے ماہرین باہر سے بلانے پڑے۔ افرادی قوت پاکستان، مصر اور ترکی سے ہی نہیں بلکہ غیر مسلم انڈیا، کوریا اور فلپائن سے بھی آئی۔ جلد ہی ملک میں کام کرنے والوں کا نصف اور کل آبادی کا ایک تہائی باہر سے آنے والے لوگوں پر مشتمل تھا۔

چند ہی دہائیوں میں سعودی عرب کی کایا پلٹ گئی تھی۔ اس کے پاس امارت اور قیادت تھے۔

مارچ 1975 میں شاہ فیصل، جب اپنی مقبولیت کے عروج پر تھے، کویت سے آنے والے وفد سے ملنے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کویتیوں کے درمیان ان کا ایک بھتیجا چھپا ہوا تھا۔ یہ اس شہزادے کا بھائی تھا، جو مظاہروں میں پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جب ملنے کی باری آئی تو شہزادے نے پستول نکال کر اپنے چچا شاہ فیصل کے سر میں گولیاں اتار دیں۔ قاتل کو اسی وقت مار دیا گیا۔

سعودی عرب میں اگلی بادشاہت شاہ خالد کے حصے میں آئی۔

دہشت گرد کا ذہن

نابینا عالم ابنِ باز کا سعودی تاریخ پر گہرا اثر رہا ہے۔ شعلہ بیان عالمِ دین جو عوام میں بہت مقبول تھے۔ اسلامک یونیورسٹی میں ان کو لوگ سننے آیا کرتے تھے۔ تیل کی دولت مل جانے کے بعد سعودی معاشرے میں تبدیلی تیزی سے آ رہی تھی۔ سعودی دوسری دنیا سے چیزیں ملک میں لے کر آ رہے تھے۔ شاپنگ مال، ٹی وی پر انگریزی ڈرامے۔۔ یہ بدلتا معاشرہ، ان کے لئے یہ ناقابلِ برداشت تھا۔

ابنِ باز شاہی خاندان پر براہِ راست تنقید نہیں کرتے تھے لیکن اپنے الفاظ اور خیالات لگی لپٹی کے بغیر کہا کرتے تھے۔ بادشاہ کی تصاویر سرکاری اداروں میں؟ ان سب کو پھاڑ کر ضائع کر دینا چاہیے۔ یہ شرک کی طرف لے جا سکتا ہے۔ ریاست میں سگریٹ کی اجازت؟ یہ شراب اور سوٗر کے گوشت کی طرح حرام ہے۔ حجامت بنوانے کی دکانیں؟ اسلامی ریاست میں اس کی گنجائش نہیں۔ تالیاں بجانا؟ یہ مغرب کی نقالی ہے۔ اور سب سے سخت تنقید خواتین کے معاشرے میں بڑھتے کردار پر تھی۔ خواتین سکولوں میں لڑکوں کو پڑھائیں گی؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

ابنِ باز کی باتیں حکومت نظرانداز کر رہی تھی۔ ابنِ باز نے ایک نئی تحریک شروع کی۔ دعوہ سلفیہ المحتسبہ جو ایک اصلاحی تنظیم تھی۔ اس کا مشن اسلام کی طرف واپسی تھا۔ ان کا ایک طریقہ نوجوان لڑکوں کو ویک اینڈ پر صحرا میں اکٹھا کر کے تبلیغ کرنا تھا۔ اس کے آخر میں بھنی ہوئی بھیڑ، زعفرانی چاول اور کھٹے دہی سے ضیافت دی جاتی تھی اور ساتھ سرد پیپسی کولا ہوتی تھی۔ (کوکا کولا ان کی بلیک لسٹ میں تھی)۔

اس تحریک میں ایک نوجوان نے شمولیت اختیار کی۔ یہ سعودی نیشنل گارڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے فارغ وقت میں ابنِ باز کے لیکچر سننا ان کا شوق تھا۔ گارڈ میں کارپورل کے عہدے سے آگے نہیں جا سکے تھے لیکن ماہر شکاری تھے اور جنگ کا فن اچھی طرح جانتے تھے۔ دعوہ المحسبہ میں اہم عہدیدار بن گئے۔ ان کا مشن اس کے پیغام کو سب تک پہنچانا تھا۔ بگڑتے معاشرے کو سدھارنا تھا۔ یہ نوجوان جھیمان تھے۔ اسلام کے نام پر کی جانے والی دہشت گردی کے پہلے بڑے حملے کے لیڈر۔ اسلام کے مقدس ترین مقام پر ہزاروں لاشیں ان کی وجہ سے گرنی تھیں۔

ابنِ باز ریاض چلے گئے۔ شاہی خاندان میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ فلیٹ ارتھ پر یقین رکھنے والے اور چاند پر مشن کو کافروں کا جھوٹ کہنے والے عالم کو سائنسی ریسرچ کے شعبے کی سربراہی مل گئی۔ ان کی پوزیشن کابینہ کے وزیر کی تھی۔ ہر ہفتے ان کی بادشاہ سے امورِ حکومت پر اکیلے میں ملاقات ہوتی۔ ان کی بات کو اہمیت دی جاتی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ، ایک عجیب اور گہرا تضاد بنتا گیا۔ ایک طرف ابنِ باز اور دوسرے علماء حکومت کے ساتھ تھے۔ شاہی خاندان کو سپورٹ کرتے تھے۔ دوسری طرف ہر قسم کی اصلاح کی خلاف تھے۔ تھیوری اور پریکٹس کو آخر کب تک الگ رکھا جاسکتا ہے۔ ان علماء کے وعظ سننے والے کچھ لوگوں کو یہ تضاد نظر آنے لگا تھا۔

جھیمان کی ذہن سازی دعوہ سلفیہ المحتسبہ کی فکر نے کی تھی۔ جھیمان نے اس تضاد پہچان لیا تھا۔ ایک طرف مدینہ میں اخوان المسلمین کے باغیوں کی آؤ بھگت ہوا کرتی تھی جو مصری اور شامی حکومتوں کے باغی تھے۔ دوسری طرف سعودی حکومت سے وفاداری کا درس دیا جاتا تھا۔ اگر دوسروں کے لئے بغاوت حلال ہے تو علماء سعودیوں کو اس حق سے کیوں روکتے ہیں؟ ابنِ باز تصویروں کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن سعودی ریالوں پر شاہ کی تصویریں منہ چڑا رہی ہیں۔ ابنِ باز جن چیزوں کی مخالفت کرتے ہیں، شاہی خاندان خود اس میں ملوث ہے۔ تنقید میں اس کو استثنیٰ کیوں ہے؟

کسی کی ذہن سازی کرتے وقت اپنی مطلب کے حصوں کو فلٹر نہیں کیا جاسکتا۔

ان تضادات پر جھیمان نے علماء سے بحث کرنا شروع کی۔ علماء کو قائل نہیں کر سکے لیکن انہوں نے اپنے جوشیلے نوجوان پیروکار اکٹھے کر لئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ علماء کو نسل میں صرف ابنِ باز مخلص عالم ہیں لیکن حکومتی عہدے کے ہاتھوں وہ بھی مجبور ہیں۔ انہوں نے اپنے خیالات کو لکھنا شروع کیا۔

ریال کی پوجا کی جا رہی ہے۔ مقدس زمین میں درآمد شدہ کتابوں اور فلموں سے نئی نسل کے ذہنوں میں زہر انڈیلا جا رہا ہے۔ سعودی عرب کا مغربی ممالک کے ساتھ تعاون شرمناک ہے۔ جب ملک میں مسیحیوں کی خاطر تواضع

ہو رہی ہے تو ہم خالص کیسے رہ سکتے ہیں۔ ملک میں شیعہ کو برداشت کیا جا رہا ہے۔ جب ملک بنا تھا، اس وقت کچھ علماء نے فتویٰ دیا تھا کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے اور ان کی مساجد کو نذرِ آتش کر دیا جائے، اس پر عمل نہیں کیا گیا لیکن اب ملک میں ان کو مسلمان تسلیم کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی لکھی کتابوں کے اہم خیالات ہیں۔

مسلمانوں کے لیڈر کے لئے تین شرائط پوری کرنا ضروری ہے۔ مسلمان ہو، قریش ہو اور اسلامی نظام کا نفاذ چاہتا ہو۔ بادشاہ دو شرائط پوری نہیں کرتا۔ اس کی حکومت جائز نہیں ہے۔ دوسرے مسلمان حکمران بھی اسی طرح ناجائز ہیں۔ صدر، امیر، وزیر اور شاہ جو اسلام کا نفاذ نہیں چاہتے۔ حکومت کی ملازمت، پولیس میں کام کرنا، ان کے لئے ٹیکس اکٹھا کرنا اور حکومتی ملازمین کو دوست بنانا سب کچھ حرام ہے۔

جھیمان نے اپنے اخوان پسِ منظر کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا، "اور جو سچ بولے گا اور ان سے اختلاف کرے گا، اس کو خارجی کہہ دیا جائے گا، قتل کر دیا جائے گا۔"

عتیبی قبائلی، نیشنل گارڈ کے افراد اور اسلامی درسگاہوں کے طلباء کے لئے جھیمان کا پیغام پرکشش تھا۔
آئیڈیلسٹ مسلمان، جو جدیدیت سے خائف تھے۔ ان کی تحریک خاموشی سے کام کرتی رہی۔ مدینہ، مکہ اور ریاض میں غیر ملکی طالب علم بڑی تعداد میں تھے۔ کویتی، یمنی، مصری، شامی۔ یہ پیغام ان کے ذریعے دوسرے ممالک تک پہنچا۔ ریاض میں واقعہ امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی سخت گیر انتہاپسندوں کا گڑھ تھی، جو اخوان کے دور میں واپسی کی خواہش کرتے تھے۔ یہاں پر ان کی ملاقات محمد عبداللہ سے ہوئی۔ سفید رنگت، شہد کی سی آنکھیں، لمبے سیدھے بال۔ شاعری کرتے تھے اور اپنی چار سالہ ڈگری ختم کرنے کے قریب تھے۔

سعودی ریاست سے نفرت کے لئے عبداللہ کے پاس ایک اور وجہ تھی۔ ان پر چوری کا الزام لگا تھا۔ پولیس کے زیرِ حراست تشدد کیا گیا تھا۔ جب تک اصل چور اتفاقاً پکڑا گیا تھا، پولیس اس وقت تک ان کے ناخن بھی کھینچ کر نکال چکی تھی۔ محمد عبداللہ کے لئے اس پیغام سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ یکم محرم 1400 کو انہوں نے امام مہدی کے طور پر ایک مجمع سے بیعت لینا تھی۔

جہیمان نے اپنی لکھی ہوئی تحریروں کو کتاب کی صورت میں چھپوانے کا ارادہ کیا۔ یہ کام سعودی عرب میں نہیں ہو سکتا تھا۔ کویت میں پبلشر اس کے لئے بھاری رقم مانگ رہے تھے۔ بالآخر ان کو عراقی حمایت یافتہ پارٹی کا ساتھ مل گیا۔ صدام حسین کی سیکولر بعث عرب سوشلسٹ پارٹی اور جہیمان میں واحد مشترک چیز سعود خاندان سے نفرت تھی۔ دار الطالیا نے ان کی کتاب سبع الرسائل چھاپ دی۔ اس کو سمگل کر کے سعودی عرب میں تقسیم کیا جانے لگا۔

جہیمان کے لٹریچر سے متاثر ہونے والا ایک اور گروپ مصر کی جماعتِ اسلامی تھی۔ انہوں نے بھی تکفیر کا طریقہ اپنایا تھا۔ یعنی کافر قرار دے کر کسی کا خون حلال قرار دینا۔ سادات مرتد اور فرعون قرار پائے تھے۔ اس تحریک کے ایک اہم رکن ایمن الظواہری تھے۔ جہیمان کی کتابیں ان کے پاس بھی تقسیم ہوتی رہی تھیں۔ جماعت کے میگزین الدعوہ میں سعودی عرب پر آرٹیکل چھپا جس میں لکھا تھا۔

"سعودی عرب گناہوں میں لتھڑے مستقبل کی طرف رواں دواں ہے۔ میڈیا پر ناقابلِ بیان چیزیں دکھائی جا رہی ہیں۔ ٹی وی پر ایک خاتون ہیرو کے گال پر بوسہ دیتی ہے۔ ریڈیو پر خاتون اور مرد میں معاشقہ سنایا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ ٹیکسی ڈرائیور بھی ہتھے سے اکھڑ گئے ہیں۔ تمیز بھول گئے ہیں۔ یہ سب مغربی کلچر کا اثر ہے۔ سعودی بچوں کے رول ماڈل اب 6 ملین ڈالر مین اور سُپر مین ہیں۔ اس معاشرے کو اب کون بچائے گا؟"

جہیمان اسی کی اصلاح لئے عملی پلاننگ کر رہے تھے۔ مصر سے انکی لکھی کتاب کو پڑھ کر متاثر ہونے والے محمد الیاس اس حملے کا اہم کردار تھے۔

دنیا میں تبدیلیاں تیزی سے آ رہی تھیں۔ جہیمان اس بات کے قائل تھے کہ دجال کا ظہور مغربی طاقتوں کی صورت میں ہو چکا ہے۔ اب امام مہدی کو بیعت لینی تھی۔ روایات کے مطابق یہ کام حج کے بعد مقامِ ابراہیم پر ہونا تھا۔ چودہ صدیاں ختم ہونے پر آنے والا حج اور رونما ہونے والے واقعات اس طرف واضح اشارہ تھے۔ واحد

سوال یہ رہ گیا تھا کہ امام مہدی کون ہے؟ جھیمان محمد بن عبد اللہ کے نام کی اہمیت سے واقف تھے۔ انہوں نے محمد عبد اللہ کے جسم پر سرخ زخم کا نشان بھی دیکھا تھا جو ان کے نزدیک امام مہدی کی نشانی تھا۔ انہوں نے پچیس سالہ محمد عبد اللہ سے بات کی۔ انہیں اس کو سنجیدہ خیال کے طور پر سمجھاتے ہوئے وقت لگا۔ دونوں نے طے کیا کہ اس پر استخارہ کر کے فیصلہ کیا جائے۔ استخارہ مثبت آ گیا۔ حیرت انگیز طور پر، دونوں کو بالکل ایک ہی خواب آیا تھا۔ سب شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں کو ہی محمد عبد اللہ کے امام مہدی کے ہونے پر یقین ہو گیا۔ اب عمل کا وقت تھا۔

اسلحہ نیشنل گارڈ کے ویئر ہاؤس اور لبنانی خانہ جنگی سے سمگل شدہ اکٹھا کیا گیا۔ جب جھیمان نے اپنے پلان کا اپنے ساتھیوں کو بتایا تو ایک نے سوال کیا، "لیکن کیا مسجد الحرام مقدس نہیں، وہاں پر ہتھیار چلانا منع نہیں؟"

جھیمان نے مسکرا کر جواب دیا، "ہاں، لیکن اب وہ وقت آ گیا ہے۔ آخری جنگ کی ابتدا یہیں سے ہونی ہے۔ یہ پہلے ہی لکھ دیا گیا ہے۔ ہم تو صرف اس پیشگوئی کو پورا کرنے والے ہیں۔ جب تک دشمن مکہ نہیں آئے گا، زمین میں نہیں نگلا جائے گا۔ یہ آخری فتح کا پہلا قدم ہے۔"

جھیمان کی کتاب چار سو صفحات کی کتاب تھی۔ وہ جس دور میں تھے، اس وقت انٹرنیٹ نہیں تھا۔ ان کو اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے کیلئے کتابیں اور پمفلٹ خفیہ طور پر چھپوا کر تقسیم کرنا پڑتے تھے۔ امام مہدی کے بارے میں تو وہ جلد غلط ثابت ہو گئے تھے، لیکن ان کے کتاب سے اقتباسات اور دعوہ المحتسبہ تحریک سے شروع ہونے والی سوچ، اس وقت بھی دنیا کے کئی حصوں میں لوگوں کی فکری راہنمائی کرتے ہیں۔

زائرین سمیت ہزاروں لوگوں کی زندگیاں ختم کرنے کا باعث بننے والے، صفا اور مروہ کے درمیان علاقہ مکمل طور پر تباہ کر دینے والے، مسجد الحرام کو خون، آنسو گیس، کیمیکلز، بارود، انسانی فضلے اور سڑتی لاشوں سے بھر دینے والے۔ آگ اور خون کا کھیل کھیلنے والے یہ چند سو جوشیلے نوجوان دہشت گرد کہلائے۔ (مسجد الحرام پر محاصرہ کرنے والوں کی تعداد تین سو سے چھ سو کے درمیان تھی)۔ جب ان کے سر قلم کئے جا رہے تھے تو ان سے

ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن اپنے نکتہ نظر سے وہ حق پر تھے۔ اور صرف وہ ہی حق پر تھے۔ اپنے تصور کے حساب سے دنیا کو بہتر بنانے کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔

دہشت گرد کا ذہن سمجھنے کیلیئے اس کا پسِ منظر سمجھنا پڑتا ہے۔

فتویٰ

سینکڑوں باغی چودہویں صدی کے آخری حج کے بعد مکہ پہنچے۔ نجد کے بدو قبائل سے تعلق رکھنے والے زیادہ تھے۔ ملک بھر سے طلباء جس میں سے کئی اہم خاندانوں سے تھے۔ ایک صوبے کے گورنر کا بیٹا، ایک سعودی سفیر کا بیٹا، ایک انگریزی کا استاد جس نے برطانیہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ کچھ مکہ کے رہائشی اور کئی دوسرے ممالک سے بھی۔ دو امریکی نو مسلم۔ پاکستان میں پیدا ہونے والے عالمِ دین نورالدین شیخ بدیع الدین۔

چالیس ہزار ریال کی رشوت دے کر ان باغیوں نے مسجد کے تہہ خانے میں تین ٹرک لانے کی اجازت لے لی تھی۔ یہ ٹویوٹا پک اپ، ڈاٹسن اور سرخ رنگ کا جی ایم سی کا ٹرک تھا۔ یہ ٹرک اسلحے اور راشن سے لدے ہوئے تھے۔

باغیوں نے مسجد الحرام پر قبضہ کر لیا۔ سید القحطانی نے مائیکروفون سنبھال لیا۔ "قیامت قریب ہے۔ اسلام کی آخری فتح کا وقت آن پہنچا ہے۔ ٹی وی کی حرکت کرتی تصویریں لوگوں کو گناہ کی طرف لے جا رہی ہے۔ خواتین گھر چھوڑ کر ملازمت کر رہی ہیں۔ کرپشن زوروں پر ہے۔ فٹ بال جیسے شیطانی کھیلوں کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ ہم سعودی شہری کی حیثیت سے اپنی بیعت واپس لیتے ہیں۔ شاہی خاندان کافروں کی کٹھ پتلی ہے۔ لیکن اب ہمیں حل مل گیا ہے"۔ اس کے بعد سید نے امام مہدی کے ظہور کی احادیث پڑھیں اور نشانیاں بتائیں۔ محمد بن عبداللہ کا نام، ان کے گال پر سرخ نشان کا بتایا اور پھر ڈرامائی اعلان کیا، "امام مہدی اس وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ وہ اس گناہوں سے بھری دنیا میں انصاف لے کر آئیں گے۔ ہم سب بھائی ہیں۔ صرف قرآن اور سنت کے طریقے پر واپس جانا چاہتے ہیں۔"

اور پھر محمد بن عبداللہ، سینے پر گولیوں کی دو بیلٹیں باندھے، ہاتھ میں مشین گن تھامے مقامِ ابراہیم سے نمودار ہوئے۔ ایک ایک کر کے ان کا ہاتھ چوم کر ان سے بیعت لی جانے لگی۔

زائرین کی بڑی تعداد کو ایک روشن دان کے راستے نکلنے دیا گیا۔ اس میں نکل جانے والوں میں امامِ کعبہ ابنِ سبیل بھی تھے، جو انڈونیشی باشندے کے بھیس میں نکلے تھے۔ انڈونیشیائی یرغمالی باغیوں کے کام کے نہیں تھے۔

صبح آٹھ بجے مکہ کی پولیس اس واقعے کیے بعد پہلی بار حرکت میں آئی۔ ان کو سمجھ بھی نہیں آئی تھی کہ ماجرا کیا ہے۔ پولیس کی پہلی نفری کے آتے ہی مسجد الحرام کے میناروں سے ماہر نشانہ بازوں کی گولیاں برسنے لگیں۔ آٹھ پولیس والے وہیں دم توڑ گئے، چھتیس زخمی ہو گئے۔ پولیس نے پسپائی اختیار کی۔ صحرا کی گرمی میں اسفالٹ کی سڑک پر بہنے والا انسانی خون جلد ہی پکنے لگا تھا۔

ریاض میں شاہ خالد کو یہ اطلاع نیند سے بیدار کر کے دی گئی۔ ان کے پہلے اقدامات میں ہر قسم کی انفارمیشن کو مکمل طور پر روک کر اس خبر کو پھیلنے سے روکنا تھا۔ سعودی عرب نے بیرونِ ملک سے تمام رابطے منقطع کرنے کی ہدایت فوری طور پر ٹیلی فون کمپنی کو جاری کر دی۔ ملک سے باہر کسی کو بھی اس بات کا علم نہ ہو۔

سعودی ریڈیو اور ٹی وی اس بارے میں بالکل خاموش تھے۔ معمول کی نشریات جاری تھیں۔ یہ بلیک آؤٹ غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اس سے گیارہ برس بعد جب عراق نے کویت پر قبضہ کر لیا تھا تو سعودی عرب کے شہریوں کو اس واقعے کی خبر تین دن بعد ہوئی تھی۔ لیکن یہ فائرنگ اور خطاب تو حرم شریف کے قریب رہنے والوں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔ مکہ کے بازاروں میں یہ چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں۔ امام مہدی آ گئے ہیں۔ یہ خبر پھیلنے لگی۔

ان افواہوں میں پولیس والے اور فوجی بھی کچھ کرنے میں جھجک رہے تھے۔ اگر یہ سچ ہوا تو؟ کیا واقعی مہدی کی آمد ہو گئی ہے؟ کہیں ہم ان کا مقابلہ کر کے عظیم گناہ میں تو نہیں مبتلا ہو جائیں گے؟ اور اگر نہیں بھی تو کیا مسجد الحرام جیسی مقدس جگہ پر ہتھیار لے جائے جا سکتے ہیں؟ یہاں پر گولی چلانا تو حرام ہے۔ اگر اس دوران مارے گئے تو کہیں یہ جہنم کا ٹکٹ تو نہیں ہو گا؟

وزیرِ دفاع پرنس سلطان فوجیوں کے مورال سے اس قدر دلبر داشتہ ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے فوجیوں سے کہا تھا، "اگر تم لوگ خدا کے گھر کی حفاظت نہیں کرو گے تو کون کرے گا؟ کیا مجھے اس کے لئے بھی پاکستانیوں کو بلوانا پڑے گا؟"

سعودی حکومت کو اس وقت علماء کی سپورٹ کی اشد ضرورت تھی۔ ان کو فتویٰ چاہیے تھا۔ شاہ خالد نے فوری طور پر تیس علماء کو ریاض میں طلب کر لیا۔ اس میں ابنِ باز، ابنِ سبیل اور ابنِ راشد بھی شامل تھے۔ علماء نے پہنچنے میں وقت لیا اور انہوں نے اس کے بدلے میں جو طلب کیا، وہ ارزاں نہیں تھا۔

علماء کو خصوصی طیاروں میں ریاض لایا گیا تھا۔ میٹنگ کا آغاز شاہ خالد نے معاملے کی سنگینی سے آگاہ کرتے ہوئے کیا اور کہا کہ اسلام کے مقدس ترین مقام کو محفوظ رکھنا ہم سب کا اولین فرض ہے۔ اس وقت کعبے کا طواف موقوف ہے۔ نمازیں نہیں پڑھی جا رہیں۔ اس وقت فوری عمل کی ضرورت ہے۔ فوجیوں کو آپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے۔

علماء نے سب سے پہلے اس پر بحث شروع کی کہ کیا امام مہدی کا دعویٰ درست ہے یا نہیں۔ روایات سے نشانیوں کو دیکھا گیا۔ کسی نے کہا کہ کچھ ٹکڑے مکمل نہیں لگتے۔ ستر ہزار یہودیوں والی بات پوری نہیں ہوئی۔ یا پھر وہ دمشق کی دیوار کے دروازے جہاں پر مہدی نے چھپنا تھا؟ ابنِ راشد نے کہا کہ آج کے دمشق کی تو کوئی دیوار ہی نہیں۔ یہ تو پہلے ہوا کرتی تھی۔ لمبی بحث کے بعد نتیجہ نکالا گیا کہ یہ دعویٰ درست نہیں۔ اب شاہ خالد کی فتوے والی بات پر غور کیا جا سکتا ہے۔

یہ علماء باغیوں کے مطالبات سے ہمدردی رکھتے تھے۔ ان کو باغیوں سے اصولی اختلاف نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی بحث میں مکہ کے گورنر اور شاہ کے بھائی شہزادہ فواز کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔ فواز لبرل سوچ رکھتے تھے۔ علماء نے انہیں اس واقعے کا قصوروار ٹھہرایا کہ ان نوجوانوں کے جذبات اس طرح کے لوگوں کی وجہ سے بھڑکے ہیں۔ جب ایک جذباتی نوجوان ایسے لوگوں کو دیکھتا ہے تو دینی حمیت کا تقاضا ہے کہ وہ اس پر کوئی ردِ عمل دے۔

علماء نے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ اب آگے کا ایک ہی راستہ ہے۔ شاہی خاندان کو، اس کی کمزوریوں کے باوجود، سپورٹ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ ان باغیوں کے خلاف فتوے پر دستخط کرنے کو تیار ہوں گے لیکن حکومت کو بھی کچھ چیزوں کی یقین دہانی کروانا ہو گی۔ انہیں اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری پوری کرنی ہو گی۔ خواتین

کا ٹی وی پر آنا بند۔ فلمیں ختم۔ شاہ فیصل کے سوشل لبرلائزیشن کے پروگرام کو نہ صرف ترک کرنا ہو گا بلکہ اس کے اقدامات کو واپس پلٹانا ہو گا۔ سعودی پیٹروڈالرز کا استعمال دنیا میں اسلام پھیلانے کیلئے کئے جانے کا کام کرنا ہو گا۔ اس پروگرام کے لئے اربوں ڈالر مختص کئے جانے کی شرط رکھی گئی۔

عملی طور پر علماء نے باغیوں کی ہی شرائط شاہ کے آگے رکھ دی تھیں۔ اس سب عمل میں خاصا وقت لگا لیکن آخر کار تیسرے روز علماء کا دستخط کردہ فتویٰ سعودی حکومت کے پاس تھا۔

اب سعودی حکومت نے پہلی بار سرکاری طور پر اعلان کر دیا کہ مسجد الحرام میں سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ اعلان صرف چار فقروں پر مشتمل بیان کے ذریعے کیا گیا۔ اس واقعے میں جو چیز نمایاں رہی، وہ یہ کہ اس پورے بحران کے درمیان علماء نے ان باغیوں کی مذمت میں ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا۔ حملہ آوروں کو بھی دہشت گرد یا گمراہ کہنے سے احتراز کیا۔ اپنے فتوے میں ان کو صرف "مسلح افراد" کہا گیا۔ سعودی حکومت کے لئے یہ رویہ خطرے کی گھنٹی تھا۔ حکومت اندر سے علماء کی حمایت سے محروم تھی۔ اس واقعے کے بعد انہیں یہ عائد کردہ شرائط من و عن ماننا پڑیں۔ وہ بغاوت کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

جب ریاض میں یہ سب جاری تھا، باغیوں نے مسجد الحرام کے تہہ خانے میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا۔ ہر چیز ان کے پلان کے مطابق ہوئی تھی۔ کوئی مزاحمت نہیں ملی تھی۔ حکومت کی طرف سے وہ جس لڑائی کی توقع کر رہے تھے، وہ بھی نہیں ہو رہی تھی۔ اگر ان میں سے کسی کو محمد بن عبداللہ کے امام مہدی ہونے پر شک بھی تھا تو اس آسان کامیابی سے رفع ہو گیا ہو گا۔

مسجد کی بجلی کاٹ دی گئی تھی اور پانی بند کر دیا گیا تھا۔ ٹوائلٹ تک نہیں جایا جا سکتا تھا کیونکہ یہ احاطے سے باہر تھے۔ اس کیلئے مسجد کے اندر کچھ کمروں کو ہی عارضی لیٹرین بنا دیا گیا۔ مسجد کی راہداری میں انسانی فضلے کی بدبو پھیلنا شروع ہو گئی۔ جو زائرین نکل نہیں سکے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو بوڑھے تھے اور لوگوں کے کاندھوں پر سوار ہو کر روشن دان کے ذریعے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ انڈیا سے تعلق رکھنے والے پچھتر سالہ محمد ستاج ضعیف

تھے،وہ اندر انتقال کر جانے والوں مین سے پہلے شخص تھے جو اپنی جگہ لیٹے لیٹے فوت ہو گئے تھے۔

ہمیشہ روشن رہنے والی یہ بڑی مسجد تاریکی میں تھی۔روشن شہر کے درمیان کا تاریک حصہ بن گئی تھی۔مسجد کے میناروں پر بیٹھے ماہر نشانہ بازوں کو پورا شہر صاف نظر آرہا تھا۔کسی بھی حرکت کرتی چیز کو نشانہ بنانا آسان تھا۔

علماء سے فتویٰ آجانے کے بعد اب لڑائی کا بڑا مرحلہ شروع ہونا تھا۔ابھی جس چیز کا ادراک سعودی حکومت کو نہیں تھا،وہ یہ کہ یہ باغی اس کے لئے کتنے زیادہ تیار اور اپنے مقصد کے لئے کتنے پر عزم تھے۔اور دوسری طرف سعودی فوج اس صورتحال سے نپٹنے کا طریقہ بالکل بھی نہیں جانتی تھی۔

عالمی تبدیلیوں کا بڑا سال

سعودی عرب اور ایران کے آپس میں کئی دہائیوں تک بڑے خوشگوار تعلقات رہے۔ ایرانی شاہ محمد رضا پہلوی اور سعودی حکمرانوں کے دشمن مشترک تھے۔ انقلابی اور کمیونسٹ۔ دونوں بادشاہتیں تیل کی دولت سے خوشحال تھیں۔ باقی دنیا کا اس سیاہ سیال پر انحصار تھا۔ دونوں بادشاہتیں اپنی حفاظت کے لئے اپنے مشترکہ دوست امریکہ کو دیکھتی تھیں۔

امریکہ نے یہاں پر ماضی میں مداخلت کی تھی۔ 1953 میں جب شاہ کو منتخب وزیرِاعظم محمد مصدق سے ہونے والی لڑائی کی سبب ملک چھوڑنا پڑا تھا تو سی آئی اے اور برطانوی انٹیلی جنس نے مصدق کا تختہ الٹانے کیلئے خفیہ آپریشن کیا تھا۔ تہران میں شاہ کی واپسی ہوئی تھی اور محمد مصدق جیل میں ڈالے گئے تھے۔ امریکہ نے اپنی طاقت سعودی عرب میں بھی دکھائی تھی۔ جب مصر یمن پر حملہ آور ہوا تھا اور سعودی عرب کے حمایت یافتہ حکمران کو خطرہ ہوا تھا تو امریکی فضائیہ 1963 میں سعودی آسمان کے اوپر حرکت میں آئی تھی۔

لیکن یہ سب ماضی تھا۔ امریکہ ویت نام کے زخموں سے چور تھا۔ کسی بھی بیرونی مہم جوئی کی اشتہا نہیں رکھتا تھا۔ امریکہ میں 1977 میں جمی کارٹر صدر منتخب ہوئے، جن کا نعرہ باقی دنیا میں عدم مداخلت اور اپنے کام سے کام رکھنا تھا۔ دوسری دنیا میں ہتھیاروں کی فروخت کو روکنا اور انسانی حقوق کو پروموٹ کرنا ان کے لئے خارجہ پالیسی کی ترجیح تھا۔

جب شاہ کے خلاف مظاہرے شروع ہوئے تو ایران کو آنسو گیس کی فروخت کو امریکا نے روک دیا۔ 1978 میں ہونے والی ہڑتالوں، مظاہروں اور جھڑپوں کی طرف امریکہ نے توجہ نہیں دی۔ امریکی سٹیٹ سیکرٹری سائیرس وینس کے مطابق امریکہ کو دنیا میں عسکری طاقت نہیں، اخلاقی مثال بن کر دکھانا ہے۔ امریکہ نے ایرانی شاہ کو جمہور کی آواز پر توجہ دینے کی ہدایت کی۔ پہلی فروری 1979 کو شاہِ ایران نے ملک چھوڑ دیا۔ اس کے پڑوسی، افغانستان میں اپریل 1978 میں کمیونسٹوں نے حکومت کا تختہ الٹ کر طاقت حاصل کرلی، امریکہ نے کوئی ردِ عمل نہیں دیا۔

سعودی عرب کے لئے یہ بڑا پریشان کن وقت تھا۔ نئی ایرانی حکومت سے اسے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ سعودی عرب نے انقلاب کے بعد بھی ایران کو پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے امداد بھجوائی تھی، لیکن یہ احساس تھا کہ تھیوکریسی آ جانے کے بعد صدیوں پرانے شیعہ سنی کے جھگڑے ایک بار پھر سر اٹھا سکتے ہیں۔ جنوبی یمن میں مارکسسٹ حکومت حاصل کر چکے تھے اور سوویت امداد سے شمالی یمن میں سعودی اتحادیوں کو غیر مستحکم کر رہے تھے۔ بحیرۂ احمر کی دوسری طرف مارکسسٹ ایتھیوپیا میں کیوبا کی فوجیں اور سوویت اسلحہ تھا۔ ان کی مدد سے انہوں نے سعودی عرب کے ایک اور اتحادی صومالیہ کو شکست دے دی تھی۔ افغانستان میں سوویت اثر ورسوخ بڑھ رہا تھا۔

تیل کی عالمی سپلائی 1979 میں شدید تعطل کا شکار ہو گئی۔ امریکہ میں دو تہائی پٹرول پمپ بند پڑے تھے۔ پٹرول حاصل کرنے کیلئیے گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگ رہی تھیں۔ اس وقت میں سعودی عرب نے روزانہ دس لاکھ بیرل آؤٹ پٹ کے اضافے سے عالمی بحران سے نمٹنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

امریکہ کو سعودی خدشات کا اندازہ نہیں تھا۔ سی آئی اے کے بھیجے گئے اپریل 1979 میں بھیجے گئے مراسلے میں لکھا تھا۔ "خطے میں ہونے والے واقعات کا سعودی عرب پر اثر نہیں۔ سعودی عرب میں رہنے والے شیعہ ایرانی انقلابیوں سے کوئی تعلقات نہیں رکھتے۔ ان کا اپنی حکومت سے بغاوت سے خطرہ نہیں۔ سعودی عرب ہر لحاظ سے مستحکم ہے۔"

ان حالات کے پسِ منظر میں 2 اکتوبر 1979 کو ولی عہد شاہ فہد کی جدہ کے محل میں امریکی سفیر جان کارل ویسٹ سے ملاقات ہوئی۔ امریکی سفر کو شاہ فہد نے یہ کہا۔

"سوویت یونین ایتھیوپیا سے افغانستان تک شرارتوں میں مصروف ہے اور امریکہ بزدلی کا شکار ہے۔ بجائے اس کے کہ شاہِ ایران کی پرواہ کی جاتی، ان کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ ایران کو دیکھیں کہ وہاں پر کیا ہوا ہے۔ ان کے معاشرے کے بہترین لوگ، فوج کے بہترین دماغ، پروفیشنل، سول سرونٹ اور تمام قابل لوگ، یا تو انقلابیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں یا ملک سے نکال دئے گئے ہیں۔ اور امریکی صدر کے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

افغانستان ہاتھ سے نکل چکا ہے، اگلی باری پاکستان کی ہو سکتی ہے۔ اس خطے میں عوام کی طرف سے امریکہ کی مخالفت کرنا ایک فیشن بن گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لوگ امریکہ کی طاقت دیکھنا چاہتے ہیں۔ تین چوتھائی عرب ملک آپ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ انتظار کر رہے ہیں کہ ہمارا طاقتور، عقلمند اور ہوشیار دوست واضح پیغام دنیا کو دے کہ بس! بہت ہو گیا۔ مبہم الفاظ نہیں، کسی تذبذب کے بغیر سٹینڈ۔ خطرات بڑے ہیں۔"

افغانستان میں 1979 میں امریکی سفیر کو اغوا کر لیا گیا تھا اور ان کو چھڑوانے کا آپریشن ناکام ہونے میں سفیر ایڈولف ڈبز مارے گئے تھے۔ جبکہ شاہ فہد کی اس ملاقات کے صرف ایک ماہ بعد، پوری دنیا نے امریکہ کی کمزوری کا ذلت آمیز مظاہرہ دیکھ لیا۔ 4 نومبر 1979 کو انقلابی طلباء نے تہران میں امریکی سفارتخانے پر ہلہ بول دیا۔ عملے کے 66 افراد کو یرغمال بنا لیا گیا۔ ان کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر کیمروں کے آگے پیش کیا گیا۔ دنیا کی تاریخ میں ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ ایران کے وزیرِاعظم مہدی بزرگان کو معاملات کو ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہے تھے، ان کو بھی حکومت چھوڑنا پڑی۔ ایران میں تبدیلی مکمل ہو چکی تھی۔

اور پھر پوری دنیا نے ایک اور حیرت انگیز منظر دیکھا۔ امریکہ کے آئیڈیلسٹ صلح جُو صدر جمی کارٹر نے اس بے مثال بے عزتی کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس واقعے کے اگلے روز ہونے والی پالیسی میٹنگ میں اس واقعے سے نپٹنے پر دی جانے والی تجاویز کو رد کرتے ہوئے جمی کارٹر نے ان الفاظ میں جواب دیا، "ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

اپنی اس پالیسی اور ایران کے بحران کے نتیجے میں امریکی صدر کارٹر کو صدارت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ رونالڈ ریگن نے انہیں اسی بنیاد پر بآسانی انتخابات میں شکست دے دی۔

انقلابی طلباء کے تہران ایمبیسی پر قبضے کے بعد انہوں نے عملے کو یرغمال بنانے کے ساتھ ایک بہت بڑا خزانہ حاصل کر لیا۔ یہ خفیہ انفارمیشن کا خزانہ تھا۔ تاریخ میں اتنی زیادہ کلاسیفائیڈ انفارمیشن پہلے کبھی نہیں کھوئی گئی تھی۔ تہران کی امریکہ سے ہونے والی خط و کتابت تہران میں "اسناد لانہ جاسوسي آمریکا" 77 جلدوں کی صورت

میں شائع ہوئی۔

اس میں دوسری چیزوں کے ساتھ سعودی ولی عہد کی امریکی سفیر کے ساتھ ہونے والی ون ٹو ون ملاقات کی تفصیل بھی لکھی تھی۔ سعودی شاہی خاندان میں اس معلومات کے لیک ہو جانے پر شرمندگی اور غصہ تھا۔ 1979 میں شروع ہونے والی واقعات کی کڑی کے آنے والی دہائیوں میں دوررس نتائج نکلنے تھے۔ صدیوں سے ہونے والی فرقہ وارانہ جنگوں کی آگ، جو بڑی حد تک ٹھنڈی پڑ چکی تھی اور کئی جگہوں میں مقامی پاکٹس تک محدود ہو رہی تھی۔۔۔ ایک بار پھر سلگنے لگی تھی۔

انقلابِ ایران، سعودی عرب میں رونما ہونے والی بڑی تبدیلیاں، افغانستان میں جنگ کا آغاز، مصر اسرائیل معاہدہ، عراق میں صدام حسین کی طرف سے بعث پارٹی کے سینکڑوں لیڈروں کا سفاکی سے کھلے عام صفایا۔۔۔ اس خطے کی تاریخ میں ۱۹۷۹ بڑی تبدیلیوں کا سال تھا۔

امریکہ مُردہ باد

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات ۱۹۷۹ میں سرد مہری کا شکار تھے۔ امریکہ پاکستان کی حکومت کے انسانی حقوق کے ریکارڈ پر بھی معترض تھا اور نیوکلئیر پروگرام پر بھی۔ ایران کے ساتھ پاکستان کی بڑھتی دوستی بھی امریکہ کو پسند نہیں تھی۔ پاکستانی میڈیا میں امریکہ اب ایک ولن کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔ اس پس منظر میں ریڈیو پر مسجد الحرام میں قبضے کی خبر آئی۔

صبح گیارہ بجے امریکی سفارتکار ہربرٹ ہیجرٹی نے فون اٹھایا۔ کال آسٹریلیا کے سفارتخانے سے تھی۔ آگاہ کیا گیا کہ پانچ سو نوجوانوں پر مشتمل جلوس امریکی سفارتخانے کی طرف نعرے لگاتا بڑھ رہا ہے۔ امریکہ کے خلاف یہ پہلا جلوس نہیں تھا۔ ان دنوں سوشلزم سے ہمدردی رکھنے والے ایسے جلوس گاہے بگاہے آتے رہتے تھے۔ اس وقت بھی کمبوڈیا کے مسئلے پر پاکستان میں بائیں بازو کی تنظیمیں امریکہ پر نکتہ چینی کر رہی تھیں۔

سفارت خانے کے گرد پاکستانی پولیس بھی تھی اور مضبوط دیوار بھی۔ حال میں ہی نفری تین گنا کر دی گئی تھی۔ امریکی یہاں پر اپنے آپ کو خطرے میں محسوس نہیں کرتے تھے۔ جلوس آتے تھے، نعرہ بازی کرتے تھے۔ یادداشت پیش کرتے تھے۔ مظاہرین کو یقین دہانی کروائی جاتی تھی کہ پیغام امریکی حکومت کے گوش گزار کیا جائے گا اور مظاہرین واپس چلے جایا کرتے تھے۔ یہ فون سن کر بھی یہی لگا کہ احتجاج کرنے والے ایسے ہی ہوں گے۔

کچھ دیر بعد آسٹریلین سفارت خانے سے ایک اور فون آیا۔ اس بار کہا گیا تھا کہ طلباء کی کئی بسیں گزری ہیں۔ یہ قائدِ اعظم یونیورسٹی کی بسیں تھیں۔ شلوار قمیض میں ملبوس نوجوان ایک طالبعلم تنظیم سے تعلق رکھتے تھے اور غصے میں بپھرے نظر آ رہے تھے۔ ہیجرٹی کو شک ہوا کہ کہیں اس کا تعلق اس خبر سے نہ ہو جو انہوں نے صبح سنی تھی لیکن پھر اس خیال کو جھٹک دیا۔ اس سے امریکہ کا کیا تعلق؟

اسلامی دنیا کا ایک حصہ خود ترسی کے عالم سے گزر رہا تھا۔ اپنی ہر مشکل کا الزام مغربی دنیا کو دینے کا فیشن بن گیا تھا۔ پڑھے لکھے لوگ بھی ناقابلِ یقین سازشی تھیوریوں کی زد میں آ گئے تھے۔ جب پاکستانی ریڈیو پر خبر چلی کہ

مسجد الحرام پر حملہ ہوا ہے تو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ ذمہ دار کون ہے۔ ایک پاکستانی اخبار کے ایڈیٹر نے ساتھ قیاس آرائی کر دی تھی کہ "اس کے پیچھے امریکہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ امریکہ خلیج فارس پر کنٹرول کا خواہاں ہے۔ اسرائیل نے مکہ اور مدینہ میں کمانڈو اتارے ہیں۔ بڑی گیم شروع کر دی گئی ہے۔"

افواہ اس اخبار سے شروع ہوئی یا کچھ اور، قائدِ اعظم یونیورسٹی میں صبح ایک طلباء کی تنظیم نے کلاسوں میں لیکچر کے درمیان گھس کر اعلان کیا کہ امریکی یہود مقاماتِ مقدسہ پر قابض ہو گئے ہیں۔ غم وغصے میں بھرے یہ نوجوان جب بسوں میں بیٹھ کر سفارت خانے کی طرف آ رہے تھے تو ان کا مقصد یادداشت سفیر کے حوالے کرنا نہیں تھا۔

سب سے پہلے ایک گاڑی نذرِ آتش کی گئی۔ اس دوران مجمع کو روکنے کی کوشش میں ایک نوجوان آصف انتقال کر گئے۔ خیال ہے کہ پولیس کی گولی اس کو لگی تھی لیکن آصف کی سڑک پر پڑے خون آلود جسم نے اس مجمع کا جوش دو آتشہ کر دیا۔ پولیس اس غصے کو دیکھ کر غائب ہو گئی۔ ہجوم نے سفارت خانے کے گیٹ پر طبع آزمائی شروع کر دی۔

سفارت خانے میں چھ امریکی فوجی تھے۔ لوہے کا بڑا گیٹ کچھ دیر کوشش کے بعد ٹوٹ گیا۔ "امریکی کتے مردہ باد"، "انتقام، انتقام" کے نعرے لگاتے ہجوم کے طرف سے گولیاں چلنے لگیں۔ چیک پوائنٹ پر کھڑے ۱۹ سالہ کارپورل سٹیو کرولے کے چہرے پر گولی لگی، وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ طبی امداد تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے چند گھنٹے بعد چل بسے۔ ہجوم سفارت خانے کے گراؤنڈ تک آ گیا تھا۔

ہجوم نے سب سے پہلا نشانہ گاڑیوں کو بنایا۔ سفارتی عملے کی گاڑیاں پارکنگ میں کھڑی تھیں۔ ان پر پٹرول چھڑک کر آگ لگانی شروع کی۔ درجنوں گاڑیاں جلنے لگیں۔ ان کو راکھ کر دینے کے بعد حملہ آوروں نے کپڑوں پر پٹرول چھڑک کر جلا کر عمارت کی کھڑکیوں پر پھینکنا شروع کئے۔ اب دوپہر کے دو بج رہے تھے۔

سفارتی عملے کے 137 افراد تھے۔ اس میں امریکی سفارتکار، پاکستانی عملہ اور کچھ مہمان تھے جن میں ٹائم میگیزین کے صحافی گرینجر بھی تھے۔ ماسٹر سارجنٹ ملر نے سب کو محفوظ کمرے والٹ کی طرف جانے کو کہا۔ امریکی میرین آنسو گیس کے شیل مظاہرین کی طرف پھینک رہے تھے۔ عمارت میں بچھے قالین آگ پکڑ رہے تھے۔ ۲ بج کر ۲۳

منٹ پر ماسٹر سارجنٹ نے اپنے فوجیوں کو راہداری چھوڑ دینے کا اشارہ کیا اور والٹ میں چلے جانے کو کہا۔ عملے کے چار افراد کے سوا اب سب والٹ میں پہنچ گئے تھے۔ فاتح ہجوم نے عمارت سے امریکہ کا جھنڈا اتار کر اس کو نذرِ آتش کر دیا اور اس کی پاکستان کا جھنڈا لہرا دیا۔

راولپنڈی میں امریکی انفارمیشن سنٹر اور کرسچن کانونٹ پہلے ہی جلایا جا چکا تھا۔ امریکن ایکسرپس کے دفاتر اور برٹش لائبریری سے بھی شعلے بلند ہو رہے تھے۔ لاہور میں امریکی کلچرل سنٹر، کراچی میں پین امریکن ائرلائن پر ہجوم حملہ آور تھا۔ اسلام آباد میں بینک آف امریکہ کی برانچ تہس نہس کر دی گئی تھی۔ لاہور میں طالب علم راہنما کے مطابق، "یہ کعبہ پر یہودی قبضے کا انتقام ہے"۔

تین بجے جرمن سفیر امریکی ایمبیسی پہنچے۔ مظاہرین کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ بہت ہو گیا، اب بس کر دیں اور معاملہ وہ نہیں جو ہجوم سمجھ رہا ہے۔ لیکن ان کو ناکامی ہوئی۔ دھواں بڑھ رہا تھا۔ عملے کے جو چار افراد والٹ میں نہیں آ سکے، ہیجرٹی نے ان کو فون کے ذریعے ہدایت کی کہ وہ کوشش کریں کہ ہجوم میں ہی گھل مل جائیں۔ اس کے لئے انہیں دوسری منزل سے چھلانگ لگانا تھی۔ چاروں شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ دو نے ہمت کی اور چھلانگ لگا دی۔ پاؤں پر موچ یا جسم کی خراشوں کے ساتھ یہ اپنی جان بچا گئے۔ جبکہ عملے کے رُک جانے والے دو پاکستانی افراد کی موت ان کے اپنے میز پر دم گھٹ جانے سے ہوئی۔

چار بجے مظاہرین سفارت خانے کی چھت پر چڑھ چکے تھے اور چھت توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عمارت میں لگی آگ کی وجہ سے والٹ میں درجہ حرارت بڑھ رہا تھا۔ امریکی عملے کو خدشہ تھا کہ زیادہ دیر یہاں رہے تو اندر ہی پک کر مر نہ جائیں۔ ہجوم کو چھت توڑنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ شام ڈھلنے لگی تھی۔ اندھیرا ہو رہا تھا۔ کینیڈا کے سفارتخانے کا عملہ یہ سب دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے ریڈیو سے پیغام بھیجا کہ اندھیرا ہونے کے ساتھ ساتھ ہجوم چھٹ رہا ہے سارجنٹ ملر نے اپنے ایک ساتھی سمیت ہمت کی کہ وہ چھت پر جا کر صورتحال دیکھیں۔ انہوں نے مظاہرین میں سے آخری شخص کو سیڑھی سے اتر کر واپس جاتے دیکھا۔ ان حملہ آوروں کے لئے تماشا بہت ہو گیا تھا۔ اور وہ واپس چلے گئے تھے۔ ایک ایک کر کے والٹ میں پھنسے افراد نے نکلنا شروع کیا اور تاروں بھرے

آسمان میں لان میں اکٹھے ہونا شروع کیا۔ کارپورل کی بے جان لاش پڑی تھی۔ اس کے علاوہ مرنے والے امریکی برائن ایلس تھے۔ وہ اس روز چھٹی پر تھے اور اپنے سٹاف اپارٹمنٹ میں سو رہے تھے جب مظاہرین نے اس میں داخل ہو کر ان کو گولیوں سے چھلنی کر کے ان کی لاش کو آگ لگا دی تھی۔ عملے کے دو پاکستانی اور دو امریکی سفارتکار اس روز ہلاک ہوئے۔ مظاہرین میں سے آصف کے علاوہ ایک اور شخص عاشق کی ہلاکت ہوئی۔

اس واقعے کے بعد امریکہ نے تمام غیر ضروری عملے کو پاکستان سے واپس بلا لیا۔ پاکستان نے اس پر مایوسی کا اظہار کیا۔ پاکستان کے صدر نے امریکی صدر کو فون پر کہا، "پاکستان ایک محفوظ ملک ہے۔ چھوٹے موٹے واقعات تو چلتے رہتے ہیں۔ ان واقعات کی وجہ سے ہونے والے تمام نقصانات کا ہرجانہ پاکستانی حکومت ادا کرے گی"۔

حج سے واپسی پر پاکستان کے 120 سینئیر فوجیوں کا گروپ ایران کے شہر قم میں رکا۔ یہاں پر ان کی ملاقات امام خمینی سے ہوئی۔ ٹی وی پر دکھائی جانے والی اس ملاقات میں امام خمینی نے پاکستان میں پچھلے روز ہونے والے واقعے کی گرمجوشی سے تعریف کرے ہوئے کہا، "ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے پاکستانی بھائی بھی اس بڑے شیطان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ لڑائی امریکہ اور ایران کے بیچ نہیں، کفر اور اسلام کے بیچ ہے۔ فتح قریب ہے۔ امریکہ کا معاشرہ جلد ہی منہدم ہو جائے گا۔ امریکہ میں سیاہ فام پہلے ہی اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اس معاشرے کو بکھرنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ انشاءاللہ، جیت ہماری ہو گی"۔ افسروں نے "آمین" کہا۔

اس طریقے سے ہونے والا سب سے بڑا فساد پاکستان میں ہوا لیکن دوسرے ممالک میں بھی اسی طرح کے واقعات ہوئے۔ بنگلہ دیش میں نمازِ جمعہ کے بعد ڈھاکہ میں امریکہ مردہ باد کے نعرے لگا تا دس ہزار کا ہجوم امریکی سفارت خانے پر حملہ آور ہوا لیکن سعودی سفیر نے وہاں پر ان کو سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا کہ مسجد الحرام کے محاصرے میں نہ ہی امریکہ ملوث ہے اور نہ ایران۔ یہ سعودی عرب کا اندرونی معاملہ ہے۔ کلکتہ میں مظاہرے

پھوٹ پڑے جس میں دکانیں توڑی پھوڑی گئیں۔30 نومبر کو کویت میں امریکی سفارت خانے پر حملہ کیا گیا جس کو کویتی فوج نے آنسو گیس اور گولیوں سے مقابلہ کر کے ناکام بنایا۔ دو دسمبر کو لیبیا میں امریکی ایمبیسی میں ہجوم کی طرف سے کئے جانے والے حملے میں امریکی عملے کو جان بچانے کے لئے فرار ہونا پڑا۔ مک کیوٹ کہانی سناتے ہیں کہ ایک طالب علم جو پچھلے روز امریکی سفارت خانے میں توڑ پھوڑ میں پیش پیش تھا، اگلے روز امریکہ کا ویزا لگوانے آیا ہوا تھا۔ میں نے پہچان لیا۔ وہ نیویارک پڑھنے جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی فوراً واپس نکل جانے کو کہا۔ وہ پکارنے لگا، "آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے"۔

پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کشیدگی کا شکار تھے لیکن جلد ہی ان کی نوعیت بدلن جانی تھی۔ اس کی وجہ پاکستان کے مغربی ہمسائے، افغانستان کی سیاست میں دونوں ممالک کا مشترکہ مفاد تھا۔

ایک فوجی ہیلی کوپٹر اس دوران یہاں تک پہنچا۔ حالات کا جائزہ لے کر بغیر رکے واپس چلے گیا۔ ساتھ لگی تصویر اس روز کی، جب یہ ہیلی کوپٹر سفارتخانے پر پرواز کر رہا تھا۔

حرم میں آگ

مسجد الحرام پر قبضہ واپس لینے کے لئے جھڑپوں میں باغی اونچے میناروں پر ہونے کی وجہ سے بہتر پوزیشن میں تھے۔ پولیس کی ہلاکتوں کے بعد اگلی کوشش فوج نے کی۔ میجر شامان کی قیادت میں فوجیوں نے مسجد کی طرف پیشقدمی کا فیصلہ کیا۔ ان پر پہلا آنے والا فائر مسجد الحرام کے میناروں سے تھا۔ ابھی اس سے بچ رہے تھے کہ مسجد کی پہلی منزل سے اگلا راؤنڈ آیا۔ پہلے ایک کپتان، پھر ایک کارپورل کے گرنے کی آواز آئی۔ اگلے فائر کے بعد میجر گر پڑے۔ ان کے چہرے سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ اس دستے میں صرف چھ لوگ زندہ بچ پائے۔

تبوک سے چھٹی پیراٹروپر بٹالین کو مکہ بلا لیا گیا تھا۔ اس کے کمانڈر کرنل ناصر الحمید تھے۔ اس بٹالین کی ٹریننگ فرانس میں ہوئی تھی۔ میجر شامان نے باب السلام سے داخلے کا پلان بنایا تھا۔ کرنل ناصر کی ٹیم نے صفا اور مروہ کی گیلری کے شمال سے۔ کرنل نے پلان بنایا کہ یہ حملہ رات کو کیا جائے لیکن شہزادہ نائف ان پر برس پڑے۔ "مرد بنو، یہ بزدلی دکھانے کا وقت نہیں ہے۔ جان کی اہمیت نہیں ہے۔ اس مشن میں مرنے والا سیدھا جنت میں جائے گا۔ اس وقت جلد نتیجہ چاہیے"۔ کرنل نے سیلوٹ کیا اور فوری حملے کے احکامات اپنی یونٹ کو جاری کر دئے۔

کرنل کی قیادت میں چھٹی بٹالین کے تربیت یافتہ افراد چھپ کر مروہ کے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اس پر دھماکہ خیز مواد نصب کر دیا۔ اسکے بعد ایک اشارہ اور دھماکے نے گیٹ کو اکھاڑ دیا۔ اتنا بھاری گیٹ جس کو پچاس فوجی بھی ہٹانے میں کامیاب نہ ہوتے، اب زمین پر پڑا تھا۔ دھواں، راکھ اور پتھروں کے ٹکڑے ہر طرف پھیل گئے۔

کرنل نے اپنے یونٹ کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ ہر چیز بالکل خاموش تھی۔ جوتے، دعا کی کتابیں، چادریں اور بیگ زمین پر بکھرے پڑے تھے۔ نہ کوئی ذی روح نظر آ رہا تھا اور نہ کوئی آواز آ رہی تھی۔ انگلی پستول کے ٹرگر پر

رکھے، یہ بڑھتے جا رہے تھے۔ جب تک ان کو پہلا باغی نظر آیا، دیر ہو چکی تھی۔

یہ دستہ گیلری کے نصف حصے کو پار کر چکا تھا جب اطراف میں چھپے باغیوں نے آن لیا۔ گولیاں برسنے لگیں۔ کرنل ناصر الحمید مارے جانے والے پہلے فوجی تھے۔ چند ہی سیکنڈ کے بعد ان کے نائب میجر عشیمی فرش پر گر پڑے۔ ان کو گولی ٹانگ پر لگی۔ بچ جانے والوں نے ستونوں کے پیچھے پناہ لی اور مدد منگوانے کے لئے ریڈیو پر پیغامات بھیجنے لگے۔ ریسکیو پارٹی کو آنے میں کچھ گھنٹے لگے۔ یہ پارٹی بھی بھاری فائرنگ کی زد میں آئی۔ میجر عشیمی کو رسی پھینکی گئی کہ ان کو گھسیٹ کر نکال لیا جائے۔ ابھی وہ اٹھنے کی کوشش میں ہی تھے کہ گولیوں کا برسٹ ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ اس بار جب وہ گرے تو پھر اٹھ نہ سکے۔ نوجوان لیفٹیننٹ قضیبی جو بازو میں گولی لگنے سے بے ہوش ہو گئے تھے، قیدی بنائے جانے والے پہلے فوجی تھے۔ سعودی فوجی جانی نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے۔

طویل انتظار کے بعد جمعے کے روز علماء کی طرف سے فتویٰ 23 نومبر کو مل گیا۔ اس کا مطلب اب یہ تھا کہ لڑائی کھل کر کی جا سکتی تھی۔ اس سے پہلے یہ احتیاط کی جا رہی تھی کہ مسجد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اب یہ رکاوٹ دور ہو گئی۔ یہ واضح ہو چکا تھا کہ یہ پولیس کے بس کا کام نہیں ہے۔ باقاعدہ فوج کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو گا۔ جنرل ظاہری کو اس مشن کا انچارج بنایا گیا۔ عبدالعزیز آرمرڈ بریگیڈ ایکشن میں آ گئی۔ امریکہ سے حاصل کردہ ایم 113 بکتر بند گاڑیاں اور توپخانہ مسجد کے قریب پہنچنے لگا۔ جدہ کے ہسپتالوں کا عملہ مکہ طلب کر لیا گیا۔ طے کر لیا گیا کہ ٹی او ڈبلیو میزائلوں سے مسجد الحرام کے میناروں پر حملہ کیا جائے گا تاکہ نشانہ بازوں کو ختم کیا جا سکے۔ ٹینک شکن میزائلوں سے مینار منہدم تو نہیں ہوئے البتہ ان کی بالکونی کی محرابیں گرا دیں۔ ان میزائلوں نے ایک ایک کر کے نشانہ بازوں کی پوزیشنز کا خاتمہ کر دیا۔

اب زمین کے آپریشن کی طرف توجہ دی جا سکتی تھی۔ مشین گن بردار بکتر بند گاڑیاں مسجد کی طرف بڑھنے لگیں۔ آسمان پر لڑاکا طیارے پرواز کر رہے تھے۔

مروہ کے دروازے کے ساتھ سوراخ مزید چوڑا کر لیا گیا اور بکتر بند گاڑیاں اور ان کے ساتھ انفنٹری اوپر والی

گیلری میں اندر داخل ہو گئی۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ فرش انسانی خون اور باقیات سے پھلسن والا تھا۔ باغیوں نے چہرے سیاہ کئے ہوئے تھے تاکہ نظر نہ آئیں۔ کچھ قالینوں میں لپٹے ہوئے تھے اور قریب پہنچنے والے فوجیوں پر گولی چلاتے تھے۔ لیکن بکتر بند گاڑیوں نے اس لڑائی کا پانسہ بدل دیا تھا۔ گولیاں اچٹ کر واپس آ جاتی تھیں۔ باغیوں کے پاس ٹینک شکن میزائل نہیں تھے۔

امام مہدی ہونے کے دعویدار محمد بن عبداللہ کے ذہن میں ایک نیا خیال آیا۔ بکتر بند گاڑیوں کو روکنا ضروری تھا۔ محمد عبداللہ واقعی یہ یقین رکھتے تھے کہ وہ اس لڑائی میں مر نہیں سکتے۔ انہوں نے پٹرول کا کنستر اور ایک جلتا ہوا کپڑا لیا اور بھاگتے ہوئے ایک بکتر بند گاڑی پر چڑھ گئے۔ گاڑی پر پٹرول چھڑکا اور کپڑا پھینک دیا۔ گاڑی سے شعلے بلند ہونے لگے۔ گاڑی نے باہر کا رخ کیا لیکن باغیوں کی مشکل حل نہیں ہوئی۔ نئی گاڑیاں اندر آ رہی تھیں۔ ان کے اوپر لگی ہوئی مشین گنوں کی فائرنگ کی تڑتڑاہٹ جاری تھی۔ ان کے قریب پہنچ کر یہ کام کرنا مشکل تھا۔

باغیوں کو ایک اور طریقہ سوجھا۔ یہ مولوٹوف کاک ٹیل کا تھا۔ زائرین زم زم کی خالی بوتلیں چھوڑ گئے تھے۔ ان میں پٹرول بھرا اور کپڑا اڑالا جو فیوز کا کام کرے۔ اس کو آگ لگا کر بم کا کام کیا جا سکتا تھا۔ ایک باغی گاڑی کی چھت پر چھلانگ لگاتا، فیوز کو آگ لگاتا، گاڑی کا ہیچ کھولتا اور بم اندر پھینک دیتا۔ جلد ہی گاڑی جلتا ہوا تندور بن جاتی۔ جب تک اللہ اکبر کے نعرے کے ساتھ باغی گاڑی پر سے چھلانگ لگاتا، گاڑی کا بدقسمت عملہ اندر ہی جل کر سیاہ ہو چکا ہوتا۔

صفا اور مروہ کی اوپر اور نیچے کی گیلریوں میں یہ پٹرول بم برسنے لگے۔ پریشان ہو جانے والے فوجیوں نے گاڑیاں واپس موڑیں۔ اس بھاگم دوڑ میں وہ اپنے ہی ساتھیوں کو کچلتے ہوئے چلے گئے۔

آپریشن جاری رہا۔ ایک کے بعد اگلا دستہ۔ اس میں سعودی آرمی، سپیشل سیکورٹی فورس اور نیشنل گارڈ حصہ لے رہے تھے۔ ہر ایک کی کمانڈ الگ الگ تھی۔ ان کے ریڈیو سسٹم بھی الگ تھے اور ایک دوسرے کی بات نہیں سن سکتے تھے۔ اگرچہ ہدایات یہ تھیں کہ سویلین پر فائرنگ نہ کی جائے لیکن جب حرکت کرتی کسی چیز کا مطلب موت ہو سکتا ہو، وہاں پر جنگ کی کنفیوژن میں ٹریجڈیوں کی بھرمار تھی۔ ایک فورس کے فوجی دوسری فورس کو نشانہ بنا دیتے تھے۔ زائرین بھی اس ہلے میں مارے جا رہے تھے۔

ہفتے کی دوپہر تک صفا اور مروہ کی گیلری پر قبضہ چھڑوایا جا چکا تھا۔ ساڑھے تین بجے ابو سلطان ایک نئی بکتر بند گاڑی لے کر مطافِ کعبہ تک پہنچ گئے۔ مطاف میں پہنچتے ساتھ ہی ان کی گاڑی پر مسجد سے فائر ہوئے۔ ان کی مشین گن نے ان فائر کرنے والے دو لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تیسرا زخمی ہو کر گر پڑا۔ اس کے ہاتھ میں کلاشنکوف تھی۔ یہ تینوں مصری تھے۔ ابو سلطان نے رسی پھینکی اور اس زخمی کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ یہ پکڑا جانے والا پہلا باغی تھا۔

ان کے پیچھے دو مزید بکتر بند گاڑیاں مطافِ کعبہ پہنچیں۔ یہ مسلسل چاروں اطراف میں مشین گن کے فائر اگل رہی تھیں۔ گولیوں کی بارش سے مسجد کی دیواریں ہر طرف سے چھلنی ہو رہی تھیں۔ صفا مروہ کی گیلری سے لے کر باب الفتح تک کے علاقے سے اونچے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ باہر سے یہ دور سے نظر آ رہا تھا۔ آگ بجھانے والے پہنچ گئے جو اس پر پانی ڈال کر بجھانے لگے۔

مکہ کے مقامی اخبار الندویٰ کے دفتر سے ان شعلوں کا نظارہ صاف نظر آ رہا تھا۔ میڈیا کا یہاں آنا منع تھا لیکن اس اخبار کے فوٹوگرافرز کے لئے منظر سامنے نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے اس کی تصاویر لینا شروع کر دیں۔ اگلے روز یہ اخبار کے فرنٹ پیج پر تھیں۔ یہ تصاویر سعودی حکومت پسند نہیں آئیں۔ اس اخبار کی کاپیاں ضبط کر لی گئیں۔
(ساتھ لگی تصویر اس اخبار میں چھپی تھی)۔

ہفتے اور اتوار کی درمیانی رات باغی زیرِ زمین علاقے میں جا چکے تھے۔ جلتی راہداریوں میں ایک چھوٹا گروہ ابھی بھی مزاحمت کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک محمد بن عبداللہ بھی تھے۔ ان کو اپنے نہ مرنے پر اتنا یقین تھا کہ وہ حیرت انگیز کام کر رہے تھے۔ حکومتی فوجی راستہ صاف کرنے کے لئے گرینیڈ استعمال کر رہے تھے۔ محمد عبداللہ فوج کے طرف سے پھینکے گرینیڈ کو پھٹنے سے پہلے ہاتھ میں لے کر واپس پھینک دیتے۔ پھر ایک حملے میں ان کی مہربان قسمت ان کو دغا دے گئی۔ ایک گرینیڈ اٹھانے جھکے اور وہ پھٹ گیا۔ ان کی ٹانگوں کے چیتھڑے اڑ گئے۔ سامنے سے آنے والے فائر کی وجہ سے ان کے چند ساتھی ان کو بچانے نہیں آ سکے۔ یہ دھماکہ دیکھ کر ان کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ مرے نہیں بھی تو بھی شدید زخمی ہو چکے ہیں۔

مسجد کی سطح کے اوپر کا حصہ باغیوں کے قبضے سے چھڑوایا جا چکا تھا لیکن زیرِ زمین تہہ خانے میں باغی موجود تھے۔ لڑائی کا مشکل مرحلہ ابھی باقی تھا۔

اس سب کے دوران سعودی حکومت کے لئے ایک اور دردِ سر شروع ہو چکا تھا۔ اس واقعے کے نتیجے میں یہاں سے سینکڑوں میل دور الشرقیہ کے صوبے میں سعودی حکومت کو عوامی بغاوت کا سامنا تھا۔ خونی مظاہرے پھوٹ پڑے تھے۔

مظاہرے

مکہ سے سات سو میل مشرق میں خلیج فارس کے ساحل پر القطیف، سیھات اور صفویٰ کے شہر آباد ہیں۔ سعودی عرب میں رہنے والے ساڑھے تین لاکھ شیعہ یہاں پر رہتے ہیں۔ سعودی عرب کا مشرقی صوبہ شیعہ آبادی کے ساتھ ساتھ سعودی عرب کی تیل کی پروڈکشن کا بھی گڑھ ہے۔ آرامکو کے چالیس فیصد ملازمین بھی یہی پر رہتے تھے۔ تیل سے مالامال ہونے کے باوجود یہ سعودی عرب کا سب سے پسماندہ علاقہ تھا۔

مسجد الحرام پر قبضہ یکم محرم کو کیا گیا تھا۔ عاشورہ کے دن قریب تھے۔ نامساعد حالات کے باوجود ڈٹ جانے کی روایت کو یاد کئے جانے کا وقت تھا۔ جھیمان کے قبضے کے خبر مشرقی صوبے تک پہنچ گئی تھی۔ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ معاملہ کیا ہے اور یہ تو بالکل ہی معلوم نہیں تھا کہ جھیمان کا گروپ شیعہ آبادی کے حقوق سرے سے ہی ختم کرنا چاہتا ہے لیکن یہ معلوم ہو گیا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ نوجوان جذباتی لڑکے اس کو انقلابِ ایران جیسی تحریک کا آغاز سمجھنے لگے تھے۔ بغاوت اس پسماندہ علاقے کے لئے پر کشش تھی۔

سعودی حکومت مشکلات کا شکار تھی۔ ان کے پڑوس، ایران میں بادشاہت کا تختہ الٹا تھا اور معاشرہ پلٹا دیا گیا تھا۔ افغانستان میں کمیونسٹ حکومت آ گئی تھی۔ سعودی تیل کی تنصیبات کا افغانستان سے فاصلہ، ان تنصیبات کے جدہ سے فاصلے سے کم تھا۔ اپنے اندرونی معاملات کی وجہ سے امریکہ بھی مدد سے ہاتھ کھینچتا نظر آتا تھا۔ اب ان کے اپنے ملک میں مذہبی جنونی ایک بڑی کارروائی کر چکے تھے۔ مذہبی راہنما بھی انہی کے خاموش حامی نظر آ رہے تھے۔ مسجد الحرام کے محاصرے سے نپٹنے میں ان کی فوج کو مشکلات کا سامنا تھا۔ عرب دنیا میں سعودی حکومت کی اہلیت پر چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ مصر کے مفتی اعظم نے سعودی علماء پر بھی اور حکومت پر بھی واضح اور کڑی تنقید کی تھی کہ وہ اس قابل نہیں لگتے کہ مقاماتِ مقدسہ کی نگہبانی کر سکیں۔ ہتک آمیز بات یہ تھی کہ شاہ حسین، جن کے خاندان سے یہ مقامات چھینے گئے تھے، وہ اپنے کمانڈو بھیجنے کی پیش کش کر چکے تھے۔ اور اب انہیں اندرونی عوامی شورش کا سامنا تھا۔

سعودی معیشت کا بڑا حصہ آرامکو تھا اور آرامکو کو چلانے میں امریکیوں کا کلیدی کردار تھا۔ مشرقی صوبے میں شروع ہونے والے مظاہرے آرامکو کی پالیسیوں کے خلاف شروع ہوئے۔ تیل کی تنصیبات پر کام کرنے والوں کو شیعہ انقلابیوں کی طرف سے دھمکیاں موصول ہوئیں۔ سی آئی اے نے شاہ فہد کو ایک رپورٹ بھیجی تھی۔ سی آئی اے نے ولی عہد کو ایک رپورٹ بھیجی۔ "خدشہ ہے کہ انقلابی ایک ریفائنری کو نشانہ بناسکتے ہیں۔"

شیعہ بغاوت کی قیادت حسن السفر کر رہے تھے۔ انہوں نے روایتی شیعہ علماء پر کڑی تنقید کی کہ وہ کیوں سعودی حکومت کے خلاف نہیں آواز اٹھاتے اور پھر کہا، "خطرے کا انتظار کرنا خطرے سے زیادہ برا ہے۔ جراتمند لوگ آگے بڑھ کر خود خطرے سے لڑتے ہیں"۔ جھیمان کی بغاوت نے ان کو ایک نیا حوصلہ دے دیا۔

حسن کی ایک جذباتی تقریر کے بعد روایتی عرب لباس پہنے نوجوانوں نے انقلابی نعرے لگاتے ہوئے القطیف شہر کے مرکز میں پہنچے۔ پولیس نے لاوڈ سپیکر پر اعلان کیا کہ ہر قسم کے مظاہرے غیر قانونی ہیں اور احتجاج کرنے والے واپس چلے جائیں۔ مظاہرین سے پہلے بات چیت ہوئی۔ پھر پولیس نے لاٹھی چارج شروع کر دیا اور پھر آنسو گیس استعمال ہونے لگی۔ اتنی زیادہ کہ کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اس روز کے لئے مظاہرہ ختم ہو گیا۔

اس نئے محاذ کا کھل جانا سعودی حکومت کے لئے ایک اور سر درد تھا۔ فوجی نفری بھی اس وقت کم تھی کیونکہ فوجی مکہ کی صورتحال سے نمٹنے گئے ہوئے تھے۔

اس سے کچھ ہی گھنٹوں بعد مغرب کی نماز کے بعد سیہات کے شہر میں مظاہرے پھوٹ پڑے۔ ڈنڈے اور پتھر لئے نوجوانوں کو آنسو گیس سے روکا گیا۔ ان میں سے ایک لڑکا حسن القلاف گولی لگنے کے سبب مارا گیا۔ اس کی لاش مظاہرین نے چھین لی اور سیہات کی گلیوں میں گھمائی گئی کہ یہ خون السعود کے سر ہے۔

سعودی حکومت نے مکہ سے فوجی اس علاقے میں واپس بلا لئے۔ اس بغاوت کو قابو سے باہر نہ ہونے دینا حکومت کی ترجیح تھی۔ 28 نومبر 1979 کی صبح القطیف کے مظاہرین سیہات میں ہونے والی موت کے انتقام کے جذبے

سے نکلے۔ اس سے پچھلی رات کو ان کے کئی لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا تھا، کچھ روپوش ہو گئے تھے۔

اب یہ بغاوت صرف شیعہ آبادی تک محدود نہیں رہی تھی۔ علاقے میں ملازمتوں کا نہ ہونا، حکومتی کرپشن، تیل نکالنے کی وجہ سے پانی کے مسائل اور حکومتی جبر بھی اب اس میں شامل ہو چکے تھے۔ یہ فرقہ وارانہ کشیدگی نہیں بلکہ ایک پسماندہ علاقے کی مرکز کے خلاف بغاوت بن گئی تھی۔

\------------------

مظاہرین نے پہلے مقامی حکومتی عمارتوں پر پتھراؤ کیا۔ ان کا نعرہ "لا سنی، لا شیعہ، وحدہ وحدہ اسلامیہ" تھا۔ (ہم سنی نہیں، ہم شیعہ نہیں، ہم اسلام کے نام پر متحد ہیں)۔ جب یہ نعرہ لگاتے ہوئے ان کا سامنا سعودی گارڈ سے ہوا تو اس بار آنسو گیس یا لاٹھی استعمال نہیں کی گئی۔ مشین گن سے ڈائریکٹ فائر مظاہرین کے سینے پر آیا۔ یہ مظاہرین کے لئے غیر متوقع تھا۔ مجمع چھٹ گیا۔ کوئی اپنی جان بچانے کے لئے بھاگا تو کوئی زخمیوں کو اٹھانے کے لئے۔ حکومتی ہسپتالوں نے ان زخمیوں کے علاج سے بھی انکار کر دیا۔ مظاہرین میں جو ڈاکٹر اور نرس تھے، انہوں نے ہی ان کی مرہم پٹی کی۔

\------------------

کشیدگی کم ہونے کے بجائے زیادہ ہو گئی۔ قانون نافذ کرنے والوں کو ہدایت ملی تھی کہ گشت کریں اور کوئی بھی مشکوک نظر آئے، اسے اٹھا لیا جائے۔ کچھ گارڈ گشت میں دور نکل گئے۔ چاقو اور ڈنڈے تھامے مظاہرین کے ہتھے چڑھ گئے اور مارے گئے۔ ان کے ہتھیار مظاہرین کے ہاتھ لگ گئے۔

القطیف کی ساری فون لائنیں کاٹ دی گئیں۔ سڑکیں بند کر دی گئیں۔ اس خبر کا مکمل بلیک آؤٹ کر دیا گیا۔

سعودی عرب نے ایرانی انقلاب کی شدید مخالفت کی تھی لیکن اب فوراً شاہ خالد نے امام خمینی کو پیغام بھیجا، "مسجد الحرام میں ہونے والے واقعے کے اس سخت وقت کے دوران آپ جس طریقے سے ہمارے ساتھ یک جہتی سے کھڑے ہیں، ہم اس کے لئے آپ کے شکر گزار ہیں"۔ سعودی عرب اس نازک صورتحال میں بیرونی مداخلت کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

امریکی سٹیٹ سیکرٹری کی طرف سے سعودی عرب میں امریکی سفیر ویسٹ کو 29 نومبر کو پیغام موصول ہوا کہ وہ سعودی عرب میں کام کرنے والے چالیس ہزار امریکیوں کو نکالنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کا انتظام کر لیں۔ ویسٹ نے واپس مراسلہ بھجوایا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سعودی فوج، تیل کی پروڈکشن، ٹرانسپورٹ وغیرہ ختم ہو جائیں گے۔ سعودی حکومت گر سکتی ہے۔ ملک انارکی کا شکار ہو سکتا ہے۔ کیا وہ اس کے لئے تیار ہیں؟

ویسٹ نے شہزادہ بندر سے بات کی۔ شہزادہ بندر نے انہیں یقین دلایا کہ مشرقی صوبے کی بغاوت کا جلد ہی قلع قمع کر دیا جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ امریکہ انسانی حقوق کے لیکچر اپنے پاس رکھے۔ امریکہ ایران سے سبق حاصل کر چکا تھا۔ اس بار اس نے خاموشی اختیار کی۔

جمعرات کے دن 29 نومبر 1979 کو عاشورہ کی شام کو القطیف میں آخری لڑائی لڑی گئی۔ نیشنل گارڈ شہر کے مرکز کو چھوڑ کر باہر آ گئی تھی۔ راتوں رات کئی فوجی گاڑیوں کو آگ لگائی تھی تھی۔ دن کا آغاز نوجوانوں کی تدفین سے ہوا جو پچھلے دن مارے گئے تھے۔ جنازے میں واعظین کی پرجوش تقاریر سن کر مظاہرین ڈنڈے اور پتھر لئے سڑکوں پر نکل آئے۔ ان کے نعروں میں "سعود مردہ باد"، "انقلاب، انقلاب"، "ہمارے خون سے اسلام زندہ ہو گا" کا اضافہ ہو چکا تھا۔ نشانہ سعودی ریاست اور اس کے مغربی اتحادی تھے۔

ریاض بینک اور سعودی برٹش بینک پہلے نشانہ بنے۔ پولیس گارڈ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد عرب بینک کو لوٹا گیا۔ شہر کے امیوزمنٹ پارک کو آگ لگا دی گئی۔ اگلی باری سعودی ایئر لائن اور مقامی عدالت کی عمارت کی تھی۔

نیشنل گارڈ کے تازہ دم دستے بارہ بجے تک پہنچ گئے۔ مشین گنوں نے موت اگلنا شروع کر دی۔ مظاہرین پیچھے ہٹنے لگے۔ گارڈز نے قبضہ واپس حاصل کرنا شروع کر دیا۔ کچھ انقلابیوں نے القطیف میں پانی کے ٹاور پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تا کہ بلند جگہ سے سعودی گارڈز کو نشانہ بنایا جا سکے۔ لیکن یہ تربیت یافتہ نہیں تھے۔ جلد ہی ہٹا دئے

گئے۔ دوپہر کے بعد فوجی ہیلی کوپٹر آسمان پر نمودار ہوئے۔ سڑکوں پر حرکت کرتا کوئی بھی شخص ان کا نشانہ تھا۔ فون کے رابطے تو پہلے ہی ختم کئے جا چکے تھے۔ بجلی اور پانی بھی کاٹ دی گئی۔ بھاری توپیں شہر کے مرکز میں آ گئیں۔

قریبی شہر صفویٰ میں بھی یہی کچھ ہوا۔ صبح جنازے کے بعد جذباتی نوجوان پولیس سٹیشن جانا چاہتے تھے۔ بزرگ روکنے کی کوشش کر رہے تھے، "ہمیں پوچھنے دیں کہ ہمارے ساتھیوں کو کس گناہ میں قتل کیا گیا" اور "اگر تم گئے تو تم بھی مارے جاؤ گے" کی بحث میں جوش جیت گیا۔ مظاہرین نے کوسٹل ہائی وے بلاک کر دی۔ طریقِ علی بن ابی طالب پر پولیس سٹیشن واقع تھا۔ مظاہرین اس کے قریب پہنچے ہی تھے کہ گولیاں برسنے لگیں۔ سینکڑوں مظاہرین نے واپس دوڑ لگائی۔ پھر فضا میں ہیلی کوپٹر گن شِپ اور زمین پر بکتر بند گاڑیوں کی باری تھی۔ کسی بھی حرکت کرتے شخص کو شوٹ کر دینے کا آرڈر تھا۔

جمعے تک یہ شورش کچل دی گئی۔ معاملات کو معمول پر لانے نائب وزیرِ داخلہ شہزادہ احمد کو مذاکرات کرنے بھیجا گیا۔ شہزادہ احمد نے پولیس سے چھینے گئے ہتھیاروں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ شہر کے معززین میں سے ایک بزنس مین عبداللہ متروک نے ملازمتوں کے مواقع، علاقے کی غربت اور ترقیاتی کام نہ کئے جانے کی طرف توجہ دلوائی۔ پرنس احمد نے یقین دلوایا کہ نہ صرف یہ ہو گا بلکہ آزادی اظہار کے معاملے میں بھی نرمی برتی جائے گی۔

جب پرنس احمد بات چیت کے اختتام پر کھڑے ہو کر علاقے کے معززین سے مصافحہ کر رہے تھے تو یہ معاملہ طے ہو چکا تھا۔ سعودی حکومت کے لئے اس بحران والے دنوں میں یہ اہم کامیابی تھی۔

مسجد الحرام میں لڑائی ابھی جاری تھی۔

غیر ملکی فوجی۔ تہہ خانے کی لڑائی

مسجد الحرام میں تہہ خانے کا حصہ قابو کہلا تا تھا۔ باغیوں سے باقی مسجد کا قبضہ چھڑوالیا گیا تھا۔ اس تہہ خانے میں بکتر بند گاڑی پر انحصار کرنے کا فیصلہ 113 باغی مورچہ بند تھے، تیار تھے اور خطرناک تھے۔ ملٹری کمانڈ نے ایم کیا۔ بن لادن کمپنی نے گاڑی نیچے لے جانے کا ایک راستہ بنایا تھا جہاں سے تعمیراتی عملہ نیچے جایا کرتا تھا۔ بکتر بند گاڑی میں بارہ سعودی فوجی سوار تھے۔ انہوں نے اس راستے سے نیچے جانا تھا۔ باغیوں نے راستہ روکنے کے لئے ٹرک کھڑا کر دیا تھا۔ بکتر بند گاڑی کے ڈرائیور نے اس کو ٹکرا کر سائیڈ پر کرنے کے لئے ایکسلریٹر دبایا۔ ٹکر ہوئی اور ایک زبردست دھماکا۔ باغیوں نے یہ پھندا لگایا ہوا تھا۔ آگے کے شعلوں نے بکتر بند گاڑی کو لپیٹ میں لے لیا۔ کھانستے اور بے حال فوجیوں نے نکل کر چھلانگیں لگانا شروع کیں۔ گھات لگائے ہوئے باغی اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ فوجی کے باہر نکلتے ہی گولیاں اس کو چھلنی کر دیتی تھیں۔ کارپورل جنازی کی ٹانگ پر تین جگہ گولیاں لگیں۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا گرینیڈ باغیوں کی سمت اچھالا۔ ہونے والے دھماکے کا فائدہ اٹھا کر وہاں سے نکل گئے۔ وہ زندہ بچ جانے والے واحد فوجی تھے۔

تہہ خانے میں زبردست لڑائی جاری تھی۔ اوپر اب سعودی فوج کا کنٹرول تھا۔ 28 نومبر کو چند سعودی فوجیوں نے حجرِ اسود کے سامنے نماز ادا کرتے ہوئے ٹی وی کے لئے فلم بنوائی۔ اس کلپ کو دکھاتے ہوئے سعودی حکومت نے دعوٰی کیا کہ صورتحال کنٹرول میں ہے۔ مسجد کو پہنچنے والا نقصان اس فلم میں سے ایڈٹ کر دیا گیا۔ اٹلی سے لے کر ٹوگو تک کے سربراہانِ حکومت کے مبارک باد کے پیغامات شاہ خالد کو موصول ہونے لگے۔

حقیقت یہ تھی کہ باغی ابھی مضبوط تھے اور پرعزم تھے۔ سعودی بھاری جانی نقصان اٹھا رہے تھے۔ حکومت کو پتا تھا کہ ہر گھنٹہ قیمتی ہے۔ حکومت کی رِٹ کمزور کر رہا ہے۔ فوجی ہسپتال زخمیوں سے بھر چکے تھے۔ فوج کو مدد کی ضرورت تھی۔ اور بہت جلد مدد کی ضرورت تھی۔

اس مدد کو کھلے عام بھی نہیں لیا جا سکتا تھا۔ تہران ریڈیو پہلے ہی سعودی عرب، مراکش اور بحرین کے خلاف نشر کر تا رہا تھا۔ "یہ کھوکھلی بادشاہتیں تو اپنی حفاظت کے قابل بھی نہیں"۔ سوویت خبر رساں ایجنسی بھی یہی کچھ چھاپ رہی تھی۔ سوال یہ کہ مدد کس سے لی جائے، کیسے لی جائے؟

فطری انتخاب اردن تھا۔ سعودی عرب کے طرز کی بادشاہت، جو اگرچہ اس سے چھوٹی بھی تھی اور غریب بھی۔ مگر اس کی ملٹری تربیت یافتہ بھی تھی اور تجربہ کار بھی۔ اس کے کمانڈوز کو برطانوی سپیشل فورس نے تربیت دی تھی۔ انہیں گوریلا جنگ کامیابی سے کرنے کا تجربہ تھا۔ چند سال قبل یاسر عرفات کی قیادت میں تنظیمِ آزادی فلسطین اردن کی ریاست سے ٹکرائی تھی۔ اردن نے خونی خانہ جنگی میں فلسطینی گوریلا جنگجوؤں کا صفایا کر دیا تھا۔ اردنی عرب بھی تھے۔ وہ اگر مکہ میں داخل ہوتے تو کوئی پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی اور ملک کی فوج ہے۔ اردن کو اپنے پڑوسی ملک سعودی عرب کے مشکل میں گھِر جانے پر پریشانی بھی تھی۔

اردن کے شاہ حسین نے سعودی بادشاہ سے رابطہ کیا اور عسکری مشن میں معاونت کی پیش کش کی۔ ان کے کمانڈو امان ائیرپورٹ پر تھے۔ صرف ایک اشارہ چاہیے تھا اور اگلے ہی لمحے وہ مکہ کی فلائٹ پر ہوتے۔ لیکن یہ انتظار کرتے ہی رہ گئے۔

دونوں بادشاہوں کی ملاقات بڑے رکھ رکھاؤ سے ہوئی۔ ایک دوسرے سے اچھے الفاظ کا تبادلہ ہوا۔ صورتحال پر رنج کا اظہار کیا گیا لیکن اردن کی عسکری مدد؟ یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کی وجہ 1924 تھی۔ وہ سال، جب شاہ خالد کے والد نے شاہ حسین کے پردادا پر حملہ کیا تھا۔ شریفِ مکہ اور حجاز کے بادشاہ پر۔ اس سال مکہ پر قبضہ ہاشمیوں سے سعود کے پاس آیا تھا۔ شاہ خالد نے صاف گوئی سے یہ بتا دیا کہ نجد اور حجاز کی اس پرانی لڑائی کے تناظر میں وہ یہ مدد قبول نہیں کر سکتے۔

سعودی نکتہ نظر سے ہاشمی فوج کا حجاز میں واپس آنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ایک سعودی افسر کے مطابق، "اگر ہاشمی مسجد الحرام کو چھڑوانے کا کریڈٹ لے جاتے تو خدشہ تھا کہ وہ کبھی واپس نہ جاتے۔"

اس کے مقابلے میں مغربی ممالک سے ایسی مدد لینے میں مسئلہ نہیں تھا۔ پہلی درخواست امریکی حکومت سے کی گئی۔ سی آئی اے کے آپریٹو طائف کے مرکز سے مکہ پہنچے۔ یہ اپنے ساتھ آنسو گیس اور دوسرے دھویں کے کیمیکل ہیلی کاپٹر کے ذریعے لے کر آئے۔ ان کی یہ مدد بالکل ناکام رہی۔

یہ شیل زیرِزمین بھول بھلیوں میں گرائے گئے۔ سخت جان جنگجوؤں نے اپنے آپ کو پرانے گدوں اور گتے کے ڈبوں سے دیواریں بنا کر محفوظ کر لیا۔ پانی میں بھگوئے ہوئے سر کے کپڑے منہ پر باندھ کر سانس میں مشکل نہ ہوئی۔ اوپر جو لوگ ان کو پھینکنے آتے، وہ باغیوں کی گولیوں کا نشانہ بن جاتے۔ فزکس کے قوانین بھی باغیوں کے حق میں تھے۔ امریکیوں کے مہیا کردہ گیس ہوا سے ہلکی تھی اور اوپر اٹھتی تھی۔ یہ جلد ہی تہہ خانے سے نکل کر مسجد کی راہداری میں بھر جاتی۔ سعودی فوجی گیس ماسک کا استعمال نہیں کر رہے تھے۔ اس حملے کے نتیجے میں الٹیاں کرنے والے اور بے حال ہونے والے باغی نہیں، سعودی فوجی رہے۔

شہزادہ ترکی نے بھانپ لیا۔ ان کو زیادہ قابل لوگوں کی مدد درکار تھی۔ اگلا فون فرانس کیا گیا۔ ان کو فرانس کی بہترین سپیشل فورس کی مدد کی ضرورت تھی۔ وہ فورس جو وسطی افریقہ سے جبوتی تک اہم کارنامے کر کے دکھا چکی تھی۔

فرانس کے کمانڈو براستہ قبرص سعودی عرب میں طائف پہنچے۔ ان کو لینے آنے والے جرنل نے جب فرانس سے آنے والے اس سپیشل طیارے سے کمانڈوز کو اترتے دیکھا تو انکا دل بیٹھ گیا۔ جہاز سے صرف تین لوگ اترے تھے۔ مزید کمک حاصل کرنے کے لئے اگلا فون پاکستان کیا گیا۔

ان کمانڈوز کے لیڈر بیرل کو سب سے پہلی حیرانی سعودی فوج کا پست مورال اور بے نظمی دیکھ کر ہوئی۔ اس صورتحال میں کسی کے پاس نقشہ تک نہیں تھا۔ بیرل نے ایک دیوار سے مسجد کی بڑی تصویر اتار کر جب آپریشن کی پلاننگ کے لئے سرخ نشان لگانے شروع کئے تو سامنے بیٹھے افسروں میں کھسر پھسر شروع ہو گئی۔ بیرل اس وقت حیران ہوئے جب ملٹری حربوں کا ایک سب سے بنیادی حربہ بھی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی باغیوں کو ایک جگہ لڑائی میں مصروف کرنا اور اصل اور بڑا حملہ کسی اور جگہ سے کرنا۔ اس روز کی پلاننگ کے ساتھ ہی بیرل

نے فرانسیسی حکومت سے عسکری سامان منگوانے کی درخواست کر دی۔

جب 2 دسمبر کو خصوصی فرانسیسی طیارہ سعودی ائیرپورٹ پر لینڈ کیا تو اس میں سات ٹن کارگو تھا۔ اس میں تین سو کلوگرام سی بی گیس تھی۔ گیس ماسک تھے، گولیوں سے محفوظ رہنے کے لئے ڈیڑھ سو جیکٹیں تھیں، گیس ہٹانے والے ڈسپر سر تھے اور گرینیڈ تھے۔ یہ کارگو 3 دسمبر کی صبح مکہ پہنچ گیا۔ آخری بڑے حملے کی تیاری مکمل تھی۔

ساتھ لگی تصویر ان تین فرنچ کمانڈوز کی سعودی افسر کے ساتھ

آخری معرکہ

دو ہفتے پہلے مسجد الحرام میں باغی قابض ہوئے تھے۔ 3 دسمبر 1979 کو پاکستانی اور ترک کام کرنے والوں نے مسجد کے موٹے فرش پر ڈرلنگ شروع کی۔ ایک دائرے کی شکل میں سوراخ بنانے لگے۔ اس میں سے سی بی گیس کے کنستر نیچے پھینکے جانے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ نیچے اندھیرے میں باغی تاک میں تھے۔ جیسے ہی یہ سوراخ مکمل ہوئے، نیچے سے گولیاں برسنے لگیں۔ کام کرنے والے لوگوں کے لئے یہ غیر متوقع بھی تھا اور مہلک بھی۔ انکے خون کے تالاب اوپر بننے لگے اور ان کے بنائے سوراخوں سے رِس کر نیچے بھی جانے لگا۔

فرانس سے آنے والے گیس ماسک اور کیمیائی سوٹ پہنے سعودی فوجیوں نے گیس کے کنستر دھماکہ خیز مواد کے ساتھ ان سوراخوں سے نیچے لڑھکا دئے۔ ان کے فیوز جلا دینے کے ساتھ ہی مسجد دھماکوں کی آواز سے بھر گئی۔ زہریلی گیس کے بادل چھا گئے۔

توقع کے مطابق اس حملے نے باغیوں کو مفلوج کر دیا۔ اس دوران جھیمان کی فورس کی لگائی ہوئی خاردار تاروں اور رکاوٹوں کو پار کرنے کا موقع سعودی فوج کو مل گیا۔ باب الصفا، باب السلام، بابِ زیاد اور باب عبد العزیز سے فوجیوں نے نیچے پہنچنے کا راستہ ڈھونڈ لیا۔ گیس، مشین گن اور گرینیڈ سے مسلح فوجیوں کے کئی دستے الگ الگ اترے۔

یہ فوجی کوئی بھی چانس نہیں لینا چاہتے تھے۔ گولیاں اور بم برساتے انہوں نے ایک کے بعد دوسرا کمرے کمرے کی تلاشی شروع کی۔ کسی بھی زندہ شخص کو دھر لیا جاتا۔ باہر نکلنے کے ہر راستے پر ٹیمیں تعینات تھیں۔ کوئی فرار نہ ہونے پائے۔

اس کیمیائی دھند میں جھیمان نے اپنے لوگوں کو یرغمالیوں سے الگ ہو جانے کو کہا۔ وہ اپنے آخری لڑائی قابو کی گہرائی میں لڑنا چاہتے تھے۔ یرغمالیوں کو مارنا ان کا مقصد نہیں تھا۔ ان کا نشانہ کوئی اور تھا۔ ان کے نزدیک آخری لڑائی گمراہ سعود حکومت کے وفاداروں سے ہونی تھی۔

سعودی فوجیوں کو یرغمالی ملنا شروع ہو گئے۔ لاغر اور گیس کی وجہ سے بے حال۔ کئی روز سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ زندہ بچ جانے والے خوش قسمت تھے۔ اس وقت فائرنگ بلادریغ کی جا رہی تھی۔ اندھیرے میں تمیز کرنا مشکل تھا کہ کون باغی ہے اور کون سویلین۔ ہر حرکت کرتی شے نشانہ بن جاتی تھی۔ ان آخری گھنٹوں میں سویلین کے غلطی سے مارے جانے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

کیمیکل کا اثر زائل ہو جانے کے بعد جھیمان کے جنگجو سنبھل رہے تھے۔ انہوں نے غیر معمولی مزاحمت دکھائی۔ فرش کے تختوں میں خود کو چھپا لینے کی تکنیک اپنائی۔ قریب آنے والے فوجی کو گولیوں کا نشانہ بنا لیتے۔ آپریشن کے اس مرحلے پر بھی وہ کچھ دیر کے لئے کئی فوجیوں کو قیدی بنانے میں کامیاب ہوئے۔ اس تہہ خانے میں آخری وقت تک سعودی فوجی جاں بحق ہوتے رہے۔ فوجی بار بار اعلان کر رہے تھے کہ باغی ہتھیار ڈال دیں۔ کسی ایک نے بھی اس پورے وقت میں ایسا نہیں کیا۔ جنرل ظاہری نے بعد میں کہا "کسی نے بھی ہتھیار نہیں ڈالے، ان کو ایک ایک کر کے پکڑنا پڑا تھا"۔

آخری حملہ شروع ہونے کے اٹھارہ گھنٹوں کے بعد 4 دسمبر 1979 کو صبح ڈیڑھ بجے شہزادہ نائف نے اعلان کر دیا۔ "باغی گینگ کے تمام لوگ پکڑے جا چکے ہیں۔ مسجد کا تہہ خانہ بھی اب خالی کروالیا گیا ہے"۔ لیکن ابھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ ابھی باغی موجود تھے۔ جھیمان لاپتہ تھے۔

شام ہو چکی تھی۔ مسجد الحرام کے سابق چیف پولیس گارڈ کے پوتے کیپٹن ابو سلطان ایک دھاتی دروازے کے قریب پہنچے جو اندر سے بند تھا۔ اس پر دھماکہ خیز مواد لگا کر اس دروازے کو اڑا دیا گیا۔ فوجی اندر پہنچے تو ان کو بارہ افراد نظر آئے۔ چہرے پر کیمو فلاج کے لئے کالک ملی ہوئی۔ کپڑے خون اور الٹیوں سے لتھڑے ہوئے۔ کچھ پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی لیکن ان میں سے ایک۔ تھکا ہوا لیکن تند خو اور غصیلا چہرہ۔ لمبی گھنی داڑھی اور الجھے بال۔ دوسروں سے عمر میں کچھ بڑا۔ قریب ہتھیاروں کے کریٹ۔ پنیر، کھجوروں کے پیالے اور پمفلٹ کا ڈھیر۔

ابو سلطان نے پوچھا، "تمارانام کیاہے؟"۔جواب آیا، "جھیمان"۔

ابو سلطان باقی قیدیوں کی تفتیش سے ملنے والی معلومات کی وجہ سے اس نام کو جانتے تھے۔بڑی مچھلی ان کے ہاتھ آ گئی تھی۔ان کو پتا تھا کہ اس قیدی کو بحفاطت نکالنا ضروری ہے۔اگر دوسرے فوجیوں کو پتا چل جاتا تو اس کو زندہ نہ چھوڑتے۔اس سے پہلے بھی پکڑے جانے والوں کی تواضع ٹھڈوں اور گھونسوں سے کی گئی تھی۔اتنے بھاری نقصان اور ساتھیوں کی موت کا غصہ تھا۔اگر انہیں جھیمان کا پتا لگ جاتا تو زندہ باہر نہ پہنچ پاتے۔ابو سلطان نے ان کو خود باہر لے جانے کا فیصلہ کیا۔دو افسروں کو ساتھ لے کر خود باہر لا کر ایمبولنس میں بٹھایا۔ایمبولینس نے مکہ ہوٹل کا رخ کیا جہاں پر سینئیر شہزادے موجود تھے۔

راستے میں ابو سلطان نے جھیمان سے پوچھا، "تم نے یہ کیا کیا؟ کوئی بھی یہ کیسے کر سکتا ہے؟ آخر کیوں؟"۔ جھیمان کو اس پر کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔کوئی جذبات دکھائے بغیر جواب دیا، "یہ میرے رب کی منشاء تھی۔"

سعودی ٹی وی کا عملہ اور سرکاری فوٹوگرافروں کو ان باغیوں کی تصویریں اتارنے کے لئے بلایا گیا۔کچھ نے اپنے ذہن میں ابھی بھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ایک نے کیمرہ دیکھ کر منہ چڑایا، ایک نے زبان نکالی۔لیکن کئی اس شکست کا مطلب سمجھنا شروع ہو گئے تھے۔اہم باغی لیڈر فیصل محمد فیصل پھوٹ پھوٹ کر رونے والے پہلے شخص تھے۔

ایک قیدی کو داڑھی سے پکڑ کر گھسیٹ کر لایا گیا۔عرب معاشرے میں یہ کسی کی سب سے بڑی بے عزتی سمجھی جاتی ہے۔شہزادہ نائف نے پوچھا، "یہ کون ہے؟"۔قیدی نے کہا، "دوسروں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔میں جھیمان ہوں"۔اس دفعہ جب ایک افسر نے چیخ کر پوچھا، "تم نے حرم شریف کے بے حرمتی کیوں کی؟" تو جھیمان کا اس بار جواب تھا، "اگر مجھے پتا ہوتا کہ نتیجہ یہ نکلے گا، تو نہ کرتا"۔

حرم شریف کے محاصرے کا یہ باب بند ہو گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں کا باب تو ابھی کھلا تھا۔ سعودی عرب میں اس معاملے کو نمٹائے جانا تھا

لیکن ساتھ ہی ساتھ، یہاں سے ہزاروں میل دور برف سے ڈھکے ایک شہر میں اسلام آباد سے مکہ، القطیف سے واشنگٹن میں ان دو ہفتوں میں بیتے واقعات کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جا رہا تھا۔ ان کی بنیاد پر ایک بڑا فیصلہ لیا جانے والا تھا۔ تبدیلیوں کے اس جھکڑ کے بعد دنیا پہلے جیسی نہیں رہی۔ جب اس کے کچھ روز بعد جھیمان کی گردن اتاری گئی تو وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا مشن کس قدر کامیاب رہا تھا۔ وہ دنیا بدلنے نکلے تھے۔ انہوں نے دنیا بدل دی تھی۔
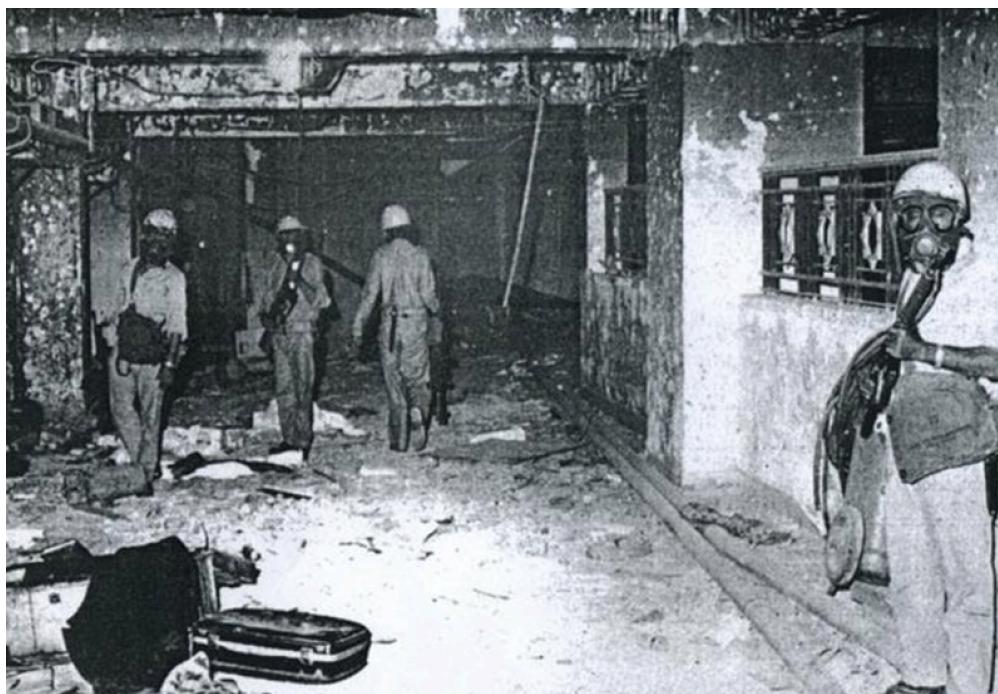
خانہ کعبہ بڑی حد تک محفوظ رہا لیکن مسجد کے بعد سے حصے تباہ ہو گئے تھے۔ کئی مہینے اس کی مرمت میں لگے۔ تہہ خانے میں قابو کا علاقہ اس کے بعد کبھی بھی لوگوں کے لئے نہیں کھلا۔ اس سے اگلے کئی دنوں تک لاشوں کی سڑاند اور کیمیائی حملے کی باقی رہ جانے والی بو یہاں سے آتی رہی۔ صرف سعودی میڈیا یہاں آ سکتا تھا اور ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ یہاں کی تباہی کی بات نہ کی جائے۔ سعودی حکومت اس واقعے کو اندرونی معاملہ کہہ کر اس سے جان چھڑوانا چاہتی تھی۔ صرف "عرب نیوز" نے اس نقصان پر خبر لگائی تھی۔ ان کے نمائندے نے بغاوت ختم کئے جانے کے چند گھنٹوں بعد اس جگہ کا معائنہ کیا تھا۔ اس آرٹیکل میں لکھا گیا کہ صفا مروہ کی گیلری میں نقصان سب سے زیادہ تھا۔ مروہ اور صفا کی مشرقی دیوار مکمل طور پر منہدم ہو گئی تھی۔ گولیوں کے نشان اور خول جا بجا نظر آ رہے تھے۔ کوئی کوئی کھڑکی ہی بچی تھی۔ فانوس، ائیر کنڈیشنز اور پنکھے ملبے میں پڑے تھے۔ مطاف میں ایک ملٹری جیپ کھڑی تھی جو گولیوں سے چھلنی تھی۔ مسجد کے کئی گیٹ اڑا دئے گئے تھے۔ کچھ سیڑھیاں گر چکی تھیں۔ رپورٹر نے نیچے جانے کی کوشش کی تو تقریباً گیس کی وجہ سے بے ہوش ہونے لگے۔ ان کو وارننگ دی گئی کہ ابھی باغیوں کی طرف سے لگائے پھندے کلئیر نہیں ہوئے۔ باغیوں کا سامان، ان کی کھجوروں کے پیالے، پانی کی بوتلیں اور پھٹے ہوئے گدے وہیں پڑے تھے۔ سنگِ مرمر سیاہ ہو چکا تھا۔ گولیوں کے نشان ستونوں پر نمایاں تھے۔

سعودی ٹی وی پر جھیمان کو دکھایا گیا۔ ساتھ تبصرہ جاری تھا، "اب ہم آپ کو تاریخ کے بدترین شخص کو دکھا رہے ہیں۔ نہ ہم اس کو کبھی معاف کریں گے اور نہ ہی تاریخ"۔ پھر دوسرے قیدیوں کو دکھایا گیا۔ "انہوں نے جو دہشت پھیلائی ہے اور معصوم لوگوں کا جو خون بہایا ہے۔۔ اور اپنا حق سمجھ کر بہایا ہے۔۔ اس کا بدلہ جہنم کی آگ ہے۔ یہ خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آئے تھے۔ دین اور شریعت سے لڑنے آئے تھے۔ ان کو اپنے کئے کی سزا ضرور ملے گی"۔

پھر محمد بن عبداللہ کی لاش دکھائی گئی۔ ساتھ اناؤنسر کی آواز، "یہ وہ جھوٹا مہدی ہے۔ یہ جھیمان کے ساتھ تھا۔ یہ قاتل ہے، اس نے بغاوت کی تھی، اب یہ مُردہ ہے۔"
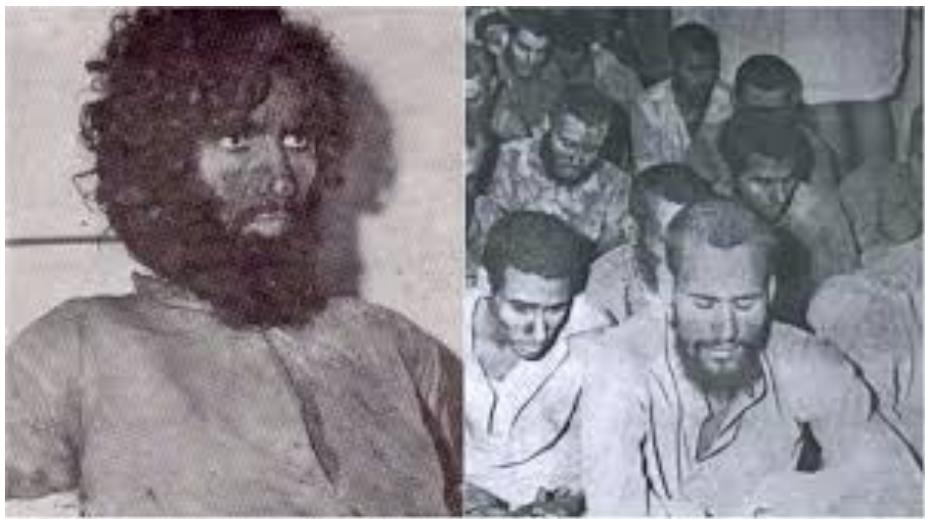
اس سے دو روز بعد سعودی انٹیلی جنس کے سربراہ شہزادہ ترکی جیل میں قیدیوں کے پاس گئے تو جھیمان کا موڈ بدل چکا تھا۔ جھیمان نے فقرے نے ان کو حیران کر دیا۔ "کیا آپ شاہ خالد سے سفارش کر سکتے ہیں کہ مجھے معاف کر دیا جائے؟"۔ ترکی کا جواب تھا، "معافی خدا سے مانگو"۔

مسجد کا عملہ خون اور گند کی چوبیس گھنٹے صفائی میں مصروف تھا۔ جمعرات 6 دسمبر 1979 کو شام سوا پانچ بجے شاہ خالد مسجد میں آئے۔ کعبہ کا طواف کیا، حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ سجدہ کیا۔ زم زم کے پانی کا گھونٹ پیا۔ مسجد میں فوجی اور مقامی عمائدین ہی تھے۔ مختصر خطاب کیا اور چلے گئے۔ یہ مناظر براہِ راست دنیا میں دکھائے گئے۔ دنیا بھر سے آنے والے پیغامات ان کا انتظار کر رہے تھے۔

سعودی حکومت میں برطرف کئے جانے والے سب سے پہلے شخص مکہ کے گورنر فواز تھے، جن کو علماء نے تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ اس سے دو روز بعد ملٹری اور سیکورٹی فورسز کے سینئیر عہدیداران کی باری تھی۔ ائر فورس کے سربراہ، چیف آف جنرل سٹاف سمیت کئی افسران ریٹائر کر دئے گئے۔ حکومت کے ترجمان کے مطابق ان تمام فیصلوں کا کوئی تعلق مکہ میں ہونے والے واقعے سے نہیں تھا۔

ان باغیوں میں سے 63 کو سزائے موت دی گئی۔ 9 جنوری 1980 کو کاٹے جانا والا پہلا سر جھیمان کا تھا۔ یہ مکہ میں اتارا گیا۔ اس کے بعد محمد عبداللہ کے بھائی سید عبداللہ کی باری تھی۔ مصر سے آنے والے محمد الیاس اور ٹی وی پر رونے والے فیصل کا سر ریاض میں قلم کیا گیا۔ مدینہ، دمام، بریدہ، حائل، ابہا، تبوک میں یہ کارروائی ہوتی رہی۔ اس میں انتالیس سعودی، دس مصری، چھ یمنی، چند کویتی، عراقی اور سوڈانی تھے۔ دو لوگ کم عمری کی وجہ سے سزائے موت سے بچ گئے جبکہ دو اور لوگ جو اس فہرست میں نہیں تھے۔ یہ امریکی سیاہ فام شہری تھے۔ امریکی سفارتخانے کے ان کے بارے میں 8 دسمبر کو رابطہ کیا تھا۔ ان کے بارے میں آخری دستاویز 19 جنوری کی ہے جس میں شہزادہ نائف نے امریکی سفیر کو آگاہ کیا تھا کہ ایک تو حراست میں ہی مر گیا تھا، دوسرا ابھی قید میں ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوا؟ اس کا ریکارڈ نہیں۔

شاہ خالد نے علماء سے جو وعدے کئے تھے، ان کو پورا کیا۔ وہ ایسا نہ کرنے کا نتیجہ جانتے تھے اور ایران کے انقلاب سے بھی سبق لے چکے تھے۔ شاہ فیصل کے شروع کئے گئے سوشل لبرلائزیشن کے پروگرام کو ختم کر دیا گیا۔ اصلاحات پلٹا دی گئیں۔ خواتین اناؤنسرز ٹی وی سے ہٹا دی گئیں۔ خواتین کی ملازمت پر پابندیاں لگا دی گئیں۔ شہریوں کی اخلاقی حالت درست رکھنے کے لئے "الرئاسة العامة لهيئة الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر" کا ادارہ مضبوط کیا گیا۔ اس کے پاس 2016 تک وسیع اختیارات رہے۔ سینما اور موسیقی کی دکانیں بند کر دی گئیں۔ سعودی نصابِ تعلیم تبدیل کر دیا گیا۔ سعودی نظریات کو دنیا بھر میں پھیلانے کے لئے بھاری فنڈنگ دی گئی۔

اسی دوران، یہاں سے بہت دور، ان واقعات کی زنجیر سے منسلک، ایک خفیہ آپریشن جاری تھا۔ کچھ فوجی اپنے پڑوسی ملک کے سربراہ کے محل میں گھسے۔ اس محل میں رہنے والے، جس کو اپنا دوست سمجھ رہے تھے، آج ان دوستوں نے ان کے جسم میں گولیوں کا برسٹ اتار دیا۔ ظلم کا دور ختم کر دیا گیا۔ ظلم کا دور شروع ہو گیا۔

نئی جنگ

ہزاروں میل دور برف سے ڈھکے شہر ماسکو میں سوویت اہلکار مکہ میں ہونے والے واقعات کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک باکسر کی طرح جو حریف کی کمزوری پکڑ لے۔ امریکہ اور ایران کی بڑھتی کشیدگی ان کے لئے پہلے ہی باعثِ اطمینان تھی جس کا ذکر برژنیف نے مشرقی جرمنی میں اپنے دورے کے دوران بھی کیا تھا۔ مسجد الحرام کا محاصرہ اب اس خود اعتمادی کو مزید بڑھا رہا تھا۔ اس خطے میں امریکہ کا ایک ساتھی، ایران، پہلے ہی ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ سعودی عرب اور پاکستان بھی اب پکے پھل کی طرح لگ رہے تھے۔

پاکستانی حکومت کی کمزوری اور اس کا امریکہ کے ساتھ تعلقات میں تناؤ صاف ظاہر تھا۔ امریکہ اپنا زیادہ تر سفارتی عملہ بھی نکال چکا تھا۔ مکہ اور مشرقی سعودی عرب میں ہونے والی بغاوت مزید حوصلہ افزا تھی۔ سعودی عرب کمیونزم کا اس قدر مخالف تھا کہ اس نے سوویت یونین سے سفارتی تعلقات قائم کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ سعودی ریاست کی غیر متوقع اور اچانک نمایاں ہو جانے والی یہ کمزوری کریملن کے لئے بڑی اچھی خبر تھی کیونکہ سعودی اپنی دولت اور اثر کا ایک حصہ اس جگہ پر خرچ کر رہے تھے، جو سوویت یونین کے لئے ایک مسئلہ تھا۔۔ افغانستان۔

کئی مہینوں سے کابل میں سوویت حمایت یافتہ حکومت کے خلاف مزاحمت جاری تھی۔ افغان حکومت مارکسزم کے نفاذ کے لئے اور مذہب کی بیخ کنی کے لئے سخت اقدامات کر رہی تھی۔ پاکستانی اور سعودی انٹیلیجنس اس حکومت کے خلاف مزاحمت کاروں کو سپورٹ کر رہے تھے اور ان کی مدد کی جا رہی تھی۔ مزاحمت کار ملک کے ستر فیصد حصے پر قابض تھے۔ امریکہ ابھی تک اس معاملے سے الگ تھا۔

سوویت یونین کیلئے افغانستان کے کمیونسٹ صدر حفیظ اللہ امین کا رویہ پریشانی کا باعث تھا۔ سوویت صدر کی رائے میں وہ مخالفین کے خلاف بہت زیادہ سختی کر رہے تھے اور ان کا اسلام کا مذاق اڑانے والا رویہ مزید مسائل کا باعث بن رہا تھا۔ کے جی بی کے چیف نے افغان صدر کی تبدیلی کے لئے کارروائی کرنے کی تجویز دے دی۔ "امین نہ صرف ظالم ہے بلکہ قابلِ بھروسہ بھی نہیں۔ ملک اس کے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ ہمیں افغانستان میں عملی اقدامات کرنے چاہیں۔ یہ معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کا وقت ہے"۔ یہ انہوں نے اپنے وزیرِ دفاع ڈمٹری

اوسٹینوف کو کہا۔ وزیرِ دفاع پہلے اس پر قائل نہیں ہوئے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ تنازعہ محدود نہیں رہے گا۔ لیکن اب پچھلے کچھ دنوں میں پے در پے رونما ہونے والے واقعات نے ان کا ذہن بدل دیا۔ سعودی عرب کی کمزوری، پاکستانی میں بدامنی، امریکہ کی خطے میں عدم مداخلت کی پالیسی واضح ہو چکی تھی۔ سرخ ریچھ شکار کو تیار تھا۔

محاصرہ ختم ہوئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا۔ 10 دسمبر 1979 کو اوسٹینوف نے سوویت چیف آف سٹاف کو بلایا اور انہیں ستر سے اسی ہزار کی فوج افغان بارڈر پر اکٹھی کرنے کی ہدایت کی۔ دو دن بعد سوویت پولٹ بیورو میں سینئیر ممبر اکٹھے ہوئے۔ ہاتھ سے لکھی خفیہ قرارداد کا نام "الف میں صورتحال" تھا۔ اس میں افغان جنگ کی منظوری دے دی گئی۔ وہ جنگ، جس نے اسلامی دنیا کو بھی بدل دینا تھا اور خود سوویت یونین کو بھی منتشر کر دینا تھا۔

آمو دریا کو سوویت فوج نے 25 دسمبر 1979 کو پار کیا۔ کابل میں کے جی بی کے کمانڈو افغان فوج کی یونیفارم پہنے لڑتے ہوئے صدارتی محل میں داخل ہوئے۔ حفیظ اللہ امین کو قتل کر دیا۔ ان کی جگہ ایک اور افغان کمیونسٹ کو اقتدار سونپ دیا گیا۔ یہ ببرک کارمل تھے۔

کارمل نے پہلا خطاب "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو ایک خون آشام قصائی سے نجات مل گئی ہے۔ قید، جلاوطنی، بے رحمانہ تشدد، دسیوں ہزار باپوں اور ماؤں، بہنوں اور بھائیوں، بیٹوں اور بیٹیوں کے قاتل امین اب نہیں رہے۔ نئی افغان حکومت سیاسی قیدیوں کو رہا کرے گی اور اسلام کے مقدس اصولوں کی پرواہ کرے گی۔

\-----------------------

امریکہ کے لئے یہ پیشرفت خطرے کے گھنٹی تھی۔ خلیج فارس میں تیل کی سپلائی اور امریکہ کے اتحادی تھے۔ وائٹ ہاؤس میں میٹنگ میں خبر دار کیا گیا کہ افغانستان سے سوویت لڑاکا طیارے آبنائے ہرمز تک بآسانی آسکتے ہیں۔ سوویت فوج بحیرہ عرب تک صرف دس سے بارہ روز میں پہنچ سکتی ہے۔ سعودی اور کویتی تیل تک رسائی حاصل کر سکتی ہے۔ برزنسکی نے امریکی صدر کو 26 دسمبر میں لکھے میمو میں خبردار کیا کہ سوویت اگر افغانستان میں کامیاب ہو گئے اور پاکستان بھی اسی بلاک میں شامل ہو گیا تو سوویت عرب اور عمان کی خلیج میں ہوں گے۔

سعودی اس سے بھی زیادہ خوفزدہ تھے۔ وہ خود کو اگلا ٹارگٹ سمجھتے تھے۔ تیل کے ذخائر کا افغانستان سے فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ جدہ سے خلیجِ فارس کا فاصلہ، افغانستان سے خلیجِ فارس کے فاصلے سے زیادہ تھا۔ اس سے صرف دو ہفتے قبل سعودی عرب نے امریکی افواج کے اس خطے میں موجودگی کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ اس سے امریکہ مخالف جذبات میں اضافہ ہو گا۔ اس کے بجائے امریکہ کو مقامی افواج کی صلاحیت میں اضافہ میں مدد کرنی چاہیے۔ سوویت اقدام نے اس سوچ کو بدل دیا تھا۔ ولی عہد شہزادہ فہد نے اب خود امریکی ملٹری اتحاد بڑھانے کی درخواست کر دی۔

پاکستانی حکومت بھی اس نئی پیشرفت سے پریشان تھی۔ اس نے پہلے بھی امریکہ کو افغانستان میں مداخلت کے لئے کہا تھا۔ لیکن دونوں ممالک کے تعلقات کی سرد مہری اور امریکہ کی خطے میں پالیسی کی وجہ سے بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ اب معاملات بدل گئے تھے۔ پاکستان ایران سے پینگیں بڑھانا بند کرنے پر بھی آمادہ تھا۔ امریکی وزیرِ دفاع نے اپنے صدر کو کہا، "ہمیں پاکستان میں وہ غلطی نہیں کرنی چاہیے جو ہم نے شاہِ ایران کے ساتھ کی۔ ہمیں پاکستان میں صدر کی پوزیشن کو اور ان کے اقتدار کو پوری سپورٹ دینی چاہیے اور اس مد میں صدر کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے"۔

جنوری 1980 کو امریکی صدر کارٹر نے سرکاری طور پر سٹیٹ آف یونین کے خطاب میں اس خطے میں پالیسی کا اعلان کر دیا۔ "میں اپنی پوزیشن بالکل واضح طور پر بیان کرنا چاہوں گا۔ کسی بھی قوت کی طرف سے خلیجِ فارس تک پہنچنے یا اس کا کنٹرول لینے کی کوئی بھی کوشش امریکہ پر حملہ تصور ہو گی۔ اس کو ہر ممکن طریقے سے روکا جائے گا، خواہ اس کے لئے عسکری قوت استعمال کرنی پڑے"۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کا ایک ستون ہے۔

افغانستان میں نئی صف بندی ہو گئی۔ نئے کھیل کی بساط بچھ گئی۔ اس میں حصہ لینے کے لئے شاہی خاندان سے بہت قریبی تعلقات رکھنے والے متمول گھرانے سے تعلق رکھتے والے ایک پتلے دبلے بائیس سالہ نوجوان نے سعودی عرب سے افغانستان کی طرف کا رخ کیا۔ اس نوجوان نے مسجد الحرام میں ہونے والے واقعے کو بڑی قریب سے دیکھا تھا۔ محمد بن عوض بن لادن نے اپنی گیارہویں بیوی سے ہونے والے اس بیٹے کا نام اُسامہ رکھا تھا۔

جہیمان کے بعد

مکہ کے محاصرے کے وقت بائیس سالہ نوجوان اسامہ بن لادن سعودی حکومت کے وفادار شہری تھے۔ ان کو نہ فوٹوگرافی سے مسئلہ تھا، نہ ٹی وی سے اور نہ ہی جہیمان کی امام مہدی والی آئیڈیولوجی سے اتفاق تھا۔ لیکن ان باغیوں کی کہانی حکومت کے خلاف عزم واستقلال سے مزاحمت کی کہانی بن گئی۔ اسامہ بن لادن نے اس واقعے پر 2004 میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "جہیمان وہ شخص تھا جس کے ارادے پختہ تھے۔ وہ حق کے لئے ڈٹ گیا تھا۔ اس کو مارنے کیلئے جو ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں بھیجے گئے تھے، اس کے ٹائروں کے نشان اور ان سے لگائی آگے کے دھویں سے سیاہ دیواریں میں نے خود دیکھی تھیں، وہ آج بھی میرے ذہن میں ہیں۔ وہ لوگ معصوم تھے، سچے مسلمان تھے، انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا، وہ شاہی خاندان کی سفاکی کا نشانہ بنے تھے اور بے دردی سے مارے گئے تھے"۔

القاعدہ نے جہیمان کے طریقے سے بہت کچھ وراثت میں لیا۔ اس نے بھی الگ قومیتوں کے لوگ ایک نظریے کے جھنڈے تلے اکٹھے کئے تھے۔ ایمن الظواہری جہیمان سے متاثر تھے۔

اس حملے کے دوران حرم میں موجود زائرین میں سے ایک محمد شوقی اسلامبولی تھے جو ان کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ان لٹریچر لے کر مصر گئے تھے اور ان کی ہمت و استقلال کی کہانیں سنائی تھیں۔ شوقی کے بھائی خالد اسلامبولی مصر کے آرمی میں لیفٹینٹ تھے۔ 6 اکتوبر 1981 کو صدر سادات جب پریڈ کا معائنہ کر رہے تھے تو خالد نے ان کے جسم میں گولیاں اتار دی تھیں۔ یہ کہہ کر کہ "فرعون جس نے یہودیوں سے دوستی کی"۔ تہران میں کئی دہائیوں تک ایک سڑک اسلامبولی کے نام پر رہی۔ مصر سے تعلقات بہتر کرنے کے لئے اس کا نام حال میں تبدیل کر کے خیابانِ انتفادہ کیا گیا ہے۔ شوقی اسلامبولی خود اسامہ بن لادن کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ جہیمان کی کتاب آج بھی مصر میں ملتی ہے۔ 438 صفحات پر مشتمل اس کا تیسرا ایڈیشن قاہرہ کی دکانوں میں دستیاب ہے۔

جہیمان کے ساتھیوں کو پکڑا گیا۔ کئی جیلوں میں رہے۔ جیل سے رہا ہو کر القاعدہ کے فعال ممبر بنے۔ مصر سے تعلق رکھنے والے محمد عامر سلیمان سقر جو افغانستان میں 1987 میں پہنچے۔ جعلی دستاویزات بنانے کے ماہر تھے۔ ابو محمد المقدسی، جنہیں اسامہ بن لادن بھی شدت پسند سمجھتے تھے۔ ان کے بہنوئی عبدالطیف الدرباس۔ جن کے

ساتھ مل کر المقدسی نے کتاب لکھی، "سعودی ریاست کیوں کافر ہے؟" اس میں المقدسی لکھتے ہیں۔ "ہم خدا کی بارگاہ میں جھیمان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اس مردِ مجاہد نے لوگوں کو بیدار کیا۔ اس کی صرف ایک غلطی تھی۔ اس کو یہ حملہ شاہی محل پر کرنا چاہیے تھا"۔

ریاض میں 1995 میں بم دھماکہ کرنے والا المقدسی کی کتاب سے متاثر تھا۔ المقدسی کو اردن میں گرفتار کیا گیا۔ وہ اردن کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش میں ملوث تھے۔ جیل میں ان کے ساتھ ایک اور نوجوان تھا، جو اس وقت تو مشہور نہیں ہوا لیکن چند ہی سال بعد اس نے عراق میں القاعدہ کی داغ بیل ڈالنا تھی۔ وہ ابو مصعب الزرقاوی کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی شہرت روزانہ لوگوں کو کیمرے کے آگے ذبح کرنے سے ہوئی۔ پسندیدہ نشانہ شیعہ آبادی تھی۔

انتہاپسندوں کی یہ اگلی نسل جھیمان اور ان کے ساتھیوں سے بھی سفاک تھی۔ جھیمان نے کم سے کم سویلین آبادی کو جان بوجھ کر نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جبکہ ان کے جانشینوں کی اس نئی نسل نے قتل کو ایک آرٹ بنا دیا تھا۔ الزرقاوی کے بھیجے گئے، بغداد کے ہوٹل کے باہر 2005 میں بڑا خودکش حملہ کرنے والے نے اس سلسلے کے اصل ماسٹر کو خراجِ تحسین پیش کرنے کیلئے اپنی کنیت ابو جھیمان رکھی تھی۔

عسیر کے گورنر شہزادہ خالد الفیصل نے 2004 میں کہا، "ہم جن لوگوں سے لڑے تھے، ان افراد کو ختم کیا لیکن ان کی آئیڈیولوجی کا مسئلہ سمجھا ہی نہیں۔ ہم نے اس کو پورے ملک میں پھیلنے دیا اور اس طرف سے آنکھیں بند رکھیں۔ ہم نے خوداخوان کے ماضی کو اپنا لیا۔ ملک غلطیاں کرتے ہیں۔ معاشرے غلطیاں کرتے ہیں۔ ہماری غلطی اس واقعے کی اصل وجہ کو نظر انداز کر دینا تھا۔ مسئلے کا سامنا کرنے نہ کرنا تھا"۔

سعودی عرب میں اس واقعے کو تاریخ کی کتابوں میں بھلا دیا گیا ہے۔ 1980 میں سعودی عرب میں لکھی کتاب "الموت للبدعہ" جو سعودی اخباروں کے تراشوں اور سرکاری تقاریر پر مبنی تھی، اس کو کچھ ہی عرصے بعد لائبریریوں سے ہٹا دیا گیا۔ اس پر پابندی عائد کر دی گئی۔

سعودی عرب میں جھیمان کے پکڑے جانے والے ساتھیوں نے جیل کاٹی، اس سے نکلنے کے بعد کئی لوگ اس فکر سے الگ ہو گئے۔ کچھ اس کے شدید مخالف بھی بن گئے۔ ان میں سے ایک ناصر ہزیمی ہیں۔ یہ جھیمان کے بہت قریبی ساتھی تھے۔ اس حملے میں شامل صرف اس وجہ سے نہیں ہوئے تھے کہ استخارہ ٹھیک نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد ہونے والی گرفتاریوں میں یہ بھی اندر ہو گئے۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد "الریاض" اخبار میں صحافت شروع کی۔ مندرجہ ذیل الفاظ ان کے ہیں۔

"ہماری بڑی غلطی اس معاملے کو ٹھیک طرح سے ہینڈل نہ کرنا رہی۔ ہم نے اس کے نظریے کا توڑ کرنے کی کوشش نہیں کی اور نقصان اٹھایا۔ سعودی ریاست نے جھیمان کے خاندان کے ساتھ نرمی کا رویہ رکھا۔ انکے بیٹے آج نیشنل گارڈ میں افسر ہیں۔ اپنے باپ پر انہیں فخر نہیں۔ ہمیں اسی طرح معاشرے میں دانشمندانہ رویے کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ اس وقت جو افسر اور جوان حرم میں لڑے تھے، ان مین سے اکثر اس وقت تک ریٹائر ہو چکے تھے جب انہیں اپنے ملک میں اس دشمن کا سامنا 2003 میں ملک میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کی صورت میں کرنا پڑا۔ آج جن دہشت گردوں کو آپ دیکھتے ہیں، ان کی جڑیں جھیمان سے جا کر ملتی ہیں۔ اور یہ صرف خوش قسمتی تھی کہ جھیمان نے یہ کام انٹرنیٹ، موبائل اور سیٹلائیٹ ٹی وی کے آ جانے سے تھوڑا پہلے کیا۔ اس وقت حکومت کے لئے جھیمان کا پیغام سنسر کر دینا آسان تھا۔ انفارمیشن کو بلاک کر کے بغاوت کو پھیلنے سے روک دیا تھا۔ اب اس کا سوچا نہیں جا سکتا۔ جس قدر پرجوش لوگ تھے، اگر ان کو ٹیکنالوجی کا یہ ساتھ مل جاتا تو انہوں نے دنیا فتح کر لینی تھی۔

آپ جانتے نہیں اور شاید تصور نہ کر سکیں کہ یہ سب کس قدر نشہ آور ہے۔ مجھے اس لئے پتا ہے کہ کبھی میں بھی ان میں سے ہی تھا۔ ان کا ساتھ دینے والے، ان سے ہمدردی رکھنے والے، ان کو نظر انداز کرنے والے، سبھی ان کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے میں قصوروار ہیں۔ اس معاملے میں ہماری ریاست نے اپنی ذمہ داری نہیں نبھائی۔ سعودی عرب مثالی ریاست نہیں اور کوئی بھی ریاست مثالی نہیں۔ ہر کسی کی الماری میں اپنے ڈھانچے پڑے ہیں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اب ہم یہ سبق سیکھ چکے ہیں کہ بس۔ اب اور نہیں۔ آئندہ کبھی نہیں۔"

حوالہ جات

مندرجہ ذیل فہرست اس واقعے پر لکھی گئی کتابوں پر ہے۔اس تحریر کا بڑا حصہ پہلی کتاب سے لیا گیا۔

- *The Siege of Mecca: The Forgotten Uprising in Islam's Holiest Shrine*
- *Inside the Kingdom: The Struggle for Saudi Arabia*
- *War on Sacred Grounds*
- *The Looming Tower*

اس کو لکھنے کے لئے جن لوگوں کے انٹرویو کئے گئے، اس میں اس حملے میں حصہ لینے والے سعد، جن کو کم عمری کی وجہ سے سزائے موت نہیں دی گئی تھی۔ابو سلطان، جنہوں نے آپریشن میں حصہ لیا تھا اور جھیمان کو گرفتار کیا تھا۔لیفٹیننٹ قضیمی، جو باغیوں کے قیدی بنے تھے، ناصر ہزیمی، جو اس وقت باغیوں کے قریبی ساتھی تھے اور پلان سے اچھی طرح واقف تھے، جیل میں رہے اور اب اخبار کے صحافی ہیں، لیفٹینٹ بیرل جو فرانس سے آنے والے کمانڈو تھے، جھیمان کے وہ ساتھی جو جیل میں رہے لیکن الگ ہو گئے۔اس کے علاوہ اندر موجود زائرین اور آپریشن میں حصہ لینے والے کئی فوجیوں کو اس کتاب لکھنے کے لئے انٹرویو کیا گیا تھا۔امریکہ، برطانیہ اور فرانس میں ڈی کلاسیفائی ہو جانے والی دستاویزات کی مدد لی گئی تھی۔الگ ابواب کیلئے

پہلا باب

اس میں شامل واقعات ان لوگوں سے ہیں جو اس وقت وہاں پر تھے۔ان میں عبدالعظیم المتانی (مصر)، شیخ عبدالعزیز رفاہ السلیمانی (جدہ)، ردا باجمال (جدہ) ہیں۔کچھ لوگوں نے نامعلوم رہنا پسند کیا۔کچھ انٹرویو الندویٰ اخبار کے ۲ دسمبر ۱۹۷۹ کے شمارے میں شائع ہوئے۔کچھ جدہ کے عکاظ اخبار میں اسی روز۔

امامِ کعبہ شیخ ابنِ سبیل کے بیٹے نے ان کے بارے میں سوالات کے جواب دئے۔ان کا اپنا مضمون الریاض کے اخبار "تعلیمات مفصلہ ان الخوارج" میں چھپا۔متانی نے اس محاصرے کو اپنی 1980 میں لکھی گئی کتاب میں بیان کیا جو "جرمِ عظیم" کے نام سے ہے۔

دوسرا اور تیسرا باب

سعودی عرب کی تاریخ کے واقعات اور تاریخیں الرشید کی لکھی کتاب "ہسٹری آف سعودی عریبیہ" سے اور ہولڈن کی لکھی کتاب "ہاؤس آف سعود" سے لی گئیں۔سعودی عرب کے تیل کے فگرز اور تاریخ سینڈرا مک کے کی کتاب "انسائیڈ ڈیزرٹ کنگڈم" سے۔

چوتھا باب

جھیمان کے ذہن اور ان کی تنظیم کے بارے میں ان کے سابق رفیق ناصر ہزیمی سے انٹرویو کئے گئے۔ کچھ دوسری تفاصیل جھیمان کی تنظیم کے ایک اور ممبر منصور النوقیدان سے لئے گئے، جنہوں نے اس پر کتاب "زلزال جھیمان فی المکۃ" لکھی۔ ابنِ باز کے بارے میں سراج وہاج کی کتاب "نابیناعالم کے دفاع میں" سے

پانچواں باب

فتوے سے متعلق معلومات منصور النوقیدان کی کتاب سے اور فتاوی اسلامیہ سے

چھٹا باب

عالمی تبدیلیوں کے بارے میں برزیزنسکی کی کتاب "پاور اینڈ پرنسپل" سے۔ ویسٹ کی گفتگو سی آئی اے کی ڈی کلاسیفائی ہونے والی فائل سے

ساتواں باب

امریکی سفارتکار ہربرٹ ہیجبرٹی کے انٹرویو سے۔ یہ باب انہوں نے 1995 میں اپنے مضمون میں بھی لکھا۔ کچھ تفصیل ٹائم میگیزین کے صحافی مارسیا گرینجر سے، جو اس وقت اندر موجود تھے۔ سی آئی اے کی فائلز سے بھی مدد لی گئی۔ اس کے علاوہ ڈان اخبار کے صحافی ایم منصوری کے مضامین سے۔

آٹھواں باب

آپریشن میں حصہ لینے والے ایک کرنل حمید کے رشتہ دار سے۔ صفامروہ کا واقعہ محمد نفائی اور ابوسلطان کے انٹرویو سے جو آپریشن کر رہے تھے۔ لیفٹیننٹ قضیبی سے جو اس آپریشن میں قیدی بنا لئے گئے۔

نواں باب

الشرقیہ کی بغاوت کے بارے میں "انتفادہ فی المنتقا الغربیہ" سے جو 1980 میں شائع ہوئی۔ سی آئی اے کی فائلز سے اور اس وقت علاقے میں موجود آرامکو کے ملازمین سے۔ امریکی ملازمین کے انخلا کے بارے میں تیار رہنے پر ری ایکشن ویسٹ کی ڈائری سے۔

دسواں باب
فرانسیسی کمانڈوز کے انٹرویو کئے گئے۔ پال بیرل کا دبئی میں اور کرسچن پروٹیو کا فون پر پیرس سے کیا گیا۔ پال بیرل نے اپنی یادداشتیں اپنی آپ بیتی میں بھی لکھی ہیں۔ فرانس میں ڈی کلاسیفائی ہونے والی انفارمیشن سے مدد حاصل کی گئی۔

گیارہواں باب
جنرل ظاہری کے مڈل ایسٹ رپورٹ میں ان کا انٹرویو دیکھا گیا جو "مکہ کے باغی" کے عنوان سے چھپا تھا۔ سی آئی اے جدہ کے ڈی کلاسیفائیڈ مراسلات حاصل کئے گئے۔

جھیمان کو پکڑنے والے ابو سلطان، نفائی، سمیر، سلطان، شہزادہ ترکی اور اس آپریشن میں شرکت کرنے والے کچھ لوگوں کا انٹرویو کیا گیا۔ اس وقت بنے یرغمالیوں نے اپنے نکتہ نظر سے واقعات بتائے۔

بارہوں باب
عرب نیوز میں چھپنے والا آرٹیکل "مسجد کے مناظر" اور شہزادہ نائف کا ٹی وی پر خطاب اس کی بنیاد ہے۔ امریکی باغیوں کے بارے میں سی آئی اے کی ڈاکومنٹ سے۔

تیرہواں باب
سوویت دستاویزات "آخری جنگ کے سبق" سے مواد لیا گیا۔ اضافی تفصیلات الیگزینڈر لاہووژسگی کی کتاب "افغان جنگ لڑنے والے کے دُکھ" اور گریگوری کورنیکو کی "سرد جنگ: لڑنے والے کی نگاہ سے" سے حاصل کی گئیں۔ کارٹر کی تقریر پبلک ہے اور کارٹر لائبریری ویب سائٹ پر دیکھ جاسکتی ہے۔ سی آئی اے کی دستاویزات کو بھی کنسلٹ کیا گیا۔

چودھواں باب
اسامہ بن لادن کا انٹرویو ندا الاسلام میگیزن کے 1996 کے شمارے سے میں یوسف ابوالعنین کی کتاب "سادات کا قتل" سے اسلامبولی کا، المقدیسی کے بارے میں ان کی اپنی کتاب سے۔ باقی تفصیلات ناصر ہزیمی کے انٹرویو سے